عوامی ورکرز پارٹی کی چوتھی فیڈرل کانگریس (27 اپریل 2025)
بمقام لاہور میں منظور شدہ

سیاسی دستاویز

عوامی ورکرز پارٹی

info@awppakistan.org

عوامی ورکرز پارٹی کی چوتھی فیڈرل کانگریس (27 اپریل 2025)
بمقام لاہور میں منظور شدہ

سیاسی دستاویز

ابتدائیہ

پارٹی کانگریس ایک سنجیدہ سیاسی عمل ہے۔ خاص کر ایک ایسی پارٹی جو مارکسی نظریات پر یقین رکھتی ہو اور جس کا منتہائے مقصود سوشلزم کے نظام کی تعمیر کے ذریعے ایک غیر طبقاتی سماج کا قیام ہو۔ لہٰذا کانگریس میں پارٹی کارکنوں کو ملکی و عالمی صورت حال اور معیشت، پاکستان کے سماج کا طبقاتی تجزیہ، سرمایہ داری کا عالمی بحران، سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اور اس کے نتیجے میں استحصال کی مزید گمبھیر اور تبدیل شدہ شکلیں، سنگین ماحولیاتی خطرات، بیسویں صدی کے انقلابی تجربات کے بعد سوشلزم کے مختلف نقطہ ہائے نظر، عالمی سامراج کی حکمت عملی اور اسکے پاکستانی سیاست پر اثرات، ابھرے ہوئے قومی سوال، معیشت اور سیاست میں فوج کا کلیدی کردار، عورت کے استحصال اور صنفی برابری کا سوال، بڑھتی ہوئی مذہبی شدت پسندی، مقامی اور عالمی طور پر بڑھتے ہوئے ارتکازِ دولت کے نتائج وغیرہ جیسے موضوعات کا سنجیدہ تجزیہ کرنے کے بعد اہداف مقرر یا طے کرنے کا بہترین موقع میسر آیا ہے۔ جس سے پارٹی مندوبین کو بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے اور پارٹی کے اندر اتحاد اور کامریڈشپ بناتے ہوئے، پارٹی اداروں کے اندر اجتماعی قیادت کے تصور اور نظریے کی شفافیت پیدا کر کے پارٹی کو اور زیادہ منظّم کیا جا سکتا ہے۔

عوامی ورکرز پارٹی پاکستان ایک ترقی پسند سیاسی جماعت ہے جو کہ پاکستان کی بائیں بازو کی تاریخ کا تسلسل ہے۔ اور ملک میں سماجی انصاف، مساوات اور عوامی حقوق کی جدوجہد کے لیے کام کرتی ہے۔ یہ پارٹی گزشتہ کئی دہائیوں سے پاکستان کی مختلف ترقی پسند اور بائیں بازو کی جماعتوں اور گروہوں کے انضمام کا نتیجہ ہے۔ عوامی ورکرز پارٹی کا تعلق پاکستان کی کمیونسٹ تحریک کے تسلسل سے ہے، جو کہ برِصغیر پاک و ہند میں کمیونسٹ نظریات کی تاریخ سے جڑی ہوئی ہے۔ برِصغیر میں کمیونسٹ تحریک کی جڑیں 1920 کی دہائی میں ملتی ہیں، جب ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی قائم ہوئی۔ تقسیمِ ہند کے بعد، پاکستان میں بھی کمیونسٹ نظریات کی بنیاد پر کام جاری رہا اور مختلف کمیونسٹ گروہ اور جماعتیں وجود میں آئیں۔ عوامی ورکرز پارٹی انہی کمیونسٹ اور ترقی پسند روایات کا تسلسل ہے، یہ مزدوروں، کسانوں، نوجوانوں، خواتین اور محروم طبقات کے حقوق کے

لیے جدوجہد کرتی چلی آ رہی ہے۔ یہ جماعت سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اور ایک منصفانہ معاشرے کے قیام کے لیے کام کرتی ہے۔عوامی ورکرز پارٹی کا منشور سماجی انصاف، اقتصادی مساوات، ماحولیاتی تحفظ اور اقلیتوں وخواتین کے حقوق جیسے اہم مسائل پر مرکوز ہے۔ عوامی ورکرز پارٹی پاکستان میں استحصالی طبقات اوران کی پارٹیوں کے خلاف ایک متبادل سیاسی قوت کے طور پر ابھرنے کی کوشش کر رہی ہے اور روایتی سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں عوامی مسائل کو ترجیح دیتی ہے۔

پارٹی کی گزشتہ کانگریس 12 / 13 مارچ 2022 کو لاہور میں منعقد ہوئی تھی-گزشتہ کانگریس سے اب تک عوامی ورکرز پارٹی میں کئی نشیب وفراز آئے لیکن پارٹی نے ہر حال میں جدوجہد کا راستہ اختیار کیے رکھا۔اس عرصے میں عوامی ورکرز پارٹی کا قیمتی اثاثہ، ہمارے دوصدور، کامریڈ فانوس گجر اور کامریڈ یوسف مستی خان ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔ پارٹی ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔ہم پارٹی کی چوتھی فیڈرل کانگریس کے موقعے پر انہیں سرخ سلام پیش کرتے ہیں۔

پارٹی کانگریس کے اس موقع پر ہمیں نہ صرف اپنی صفوں کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے بلکہ تمام عوام دوست و جمہوری قوتوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کر کے مربوط جدوجہد کے ذریعے سرمایہ دارانہ نظام کے متبادل کی طرف لمبا سفر طے کرنے کا عہد کرنا ہوگا تاکہ عالمی سامراج کو ہمیشہ کے لیے شکست دی جائے۔ معاشرے سے معاشی، ثقافتی اور سماجی ظلم و استحصال کا خاتمہ کیا جاسکے۔قومیتوں کے حقوق کا حصول ہو سکے، صنفی جبر کا خاتمہ ہو اور صحیح معنوں میں پاکستان ایک آزاد، خودمختار اور عوام دوست ملک بن سکے۔

سیاست اور تضادات کا باہمی تعلق

1-سیاست اور تضادات کے درمیان تعلق، سماجی حرکیات اور سیاسی طاقت کے لیے بہت اہم ہے۔جدلیاتی مادیت کا فلسفہ بتاتا ہے کہ مادی حالات اور طبقاتی تعلقات، تضادات کے ذریعے ہی تاریخی ترقی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ خاص طور پر سرمایہ دارانہ پیداوار کے مالکان اور مزدور و محنت کش طبقوں کے درمیان۔

2-طبقاتی جدوجہد کو تاریخی اور سیاسی تبدیلی کے بنیادی محرک کے طور پر جانا اور دیکھا جاتا

ہے-جس میں طبقاتی مفادات کی مخالفت سے پیدا ہونے والے تنازعات ہوتے ہیں۔ان تضادات کو حل کرنے سے انقلابی تبدیلی آسکتی ہے، جہاں مزدور اوراس کے اتحادی طبقات سرمایہ دار و جاگیردار طبقات کے اقتدار کے خاتمے کی کوشش کرتے ہیں۔

3- کسی بھی ملک میں سیاست مادی حالات اور موجودہ تضادات سے متاثر ہوتی ہے-حکمران طبقات اپنا اقتدار اور غلبہ قائم رکھنے کے لئے سیاسی طاقت کا استعمال کرتے ہیں جبکہ انقلابی کوششوں کا مطلب اور مقصد ان تضادات کو مزدور طبقے کے فائدے کے لئے دور کرنا ہوتا ہے۔

4-ریاست کو حکمران طبقے کے ایک آلے کے طور پر دیکھا جانا چاہیے، لیکن طبقاتی تعلقات کے اندر تضادات عدم استحکام پیدا کرتے ہیں۔ریاست کو حکمران طبقے کے آلے کے طور پر دیکھنے کا تصور خاص طور پر مارکسی نظریے کی بنیاد پر ہے۔کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز کے مطابق ریاست کا وجود سماج میں طبقاتی جدوجہد کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ معاشی طور پر طاقتور طبقے (جیسے سرمایہ دار یا زمیندار طبقہ) کے مفادات کو تحفظ دینے کا ذریعہ بنتی ہے۔طبقاتی تعلقات کے اندر موجود تضادات سماجی اور معاشی عدم استحکام کا باعث بنتے ہیں۔یہ خیال مارکسی نظریے کا مرکزی نکتہ ہے، جس کے مطابق سماج کی ترقی طبقاتی جدوجہد سے ہوتی ہے۔کارل مارکس نے واضح کیا کہ ہر معاشی نظام (جیسے غلامی، جاگیرداری، سرمایہ داری) اپنے اندر ایسے تضادات رکھتا ہے جو بالآخر اس کے زوال کا سبب بنتے ہیں۔

5-سیاسی و معاشی نظام جامد نہیں ہوتے۔ وہ انقلاب کے ذریعے بدلے جاسکتے ہیں-مزدور اوراس کے اتحادی طبقات کا اقتدار قائم کر کے ہی سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی تضادات کو حل کیا جاسکتا ہے۔

6-سماجی تبدیلی کے بعد بھی نئے تضادات ابھر سکتے ہیں جس کے لئے مسلسل سیاسی و طبقاتی جدوجہد کی ضرورت رہتی ہے۔

مارکسزم، لیننزم ایک سماجی سائنس ہے جو اس بات پر زور دیتی ہے کہ سیاست سماجی تضادات سے گہرا تعلق رکھتی ہے خاص طور پر طبقاتی جدوجہد جو انقلابی تبدیلی کے لئے تنازعات اورمحرکات کے طور پر کام کرتی ہے۔

دورِ حاضر کے بنیادی تضادات

موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں عالمی سطح پر درج ذیل تضادات اہمیت کے حامل ہیں۔

1-سامراج اور محکوم قوموں اور عوام کے مابین تضادات

2-سرمایہ اور محنت کے درمیان تضاد

3-سامراج اور سوشلزم کے درمیان تضاد

4-سرمایہ دارانہ نظام اور موحولیات کا تضاد

5-سوشلسٹ ممالک اور عالمی کمیونسٹ تحریک کا سامراج اور سرمایہ دار ممالک سے تضاد

مندرجہ بالا عالمی تضادات و کشمکش کا عکس اور اثرات پاکستان کی معیشت و سیاست میں بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں۔ عالمی سامراج کی سخت گیر عالمگیریت ،لوٹ کھسوٹ، معاشی و سیاسی دباؤ، دھونس اور دھاندلی کی پالیسی اور گماشتہ طبقات کی سامراج پرستی نے پاکستان کے اندر مندرجہ ذیل تضادات کی نوعیت ترتیب دی ہے۔

1-طبقاتی تضاد

2۔سامراج اور پاکستانی عوام کے درمیان تضاد

3۔زیردست اور بالادست قوموں کے درمیان تضاد

4۔جمہوری اور غیر جمہوری قوتوں کے درمیان عدام توازن کا تضاد

5۔جاگیرداری وقبائلی باقیات اور جمہوریت کے درمیان تضاد

6۔حکمران طبقات کے باہمی تضادات

7۔ بنیاد پرستی اور روشن خیالی کے درمیان تضاد

پارٹی کو اپنی سیاسی لائن اور اہداف واضح کرنے کے لیے مقامی اور عالمی تضادات، ان کی گہرائی اور شدت کا بھر پور ادراک کرنا ہوگا۔ پاکستان میں جاگیرداری و قبائلی باقیات ہی سامراجیت کو سماجی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ جاگیرداری کے ساتھ مل کر گماشتہ سرمایہ دار طبقات، سول وملٹری نوکر شاہی۔۔تینوں مل کر سامراج کے حق میں سیاسی و معاشی جمود لاگو کرتی ہیں- لہٰذا سامراج، گماشتہ سرمایہ دار، جاگیرداری وقبائلی باقیات اور سول وفوجی نوکرشاہی وہ قوتیں ہیں جو پاکستانی سماج کی ترقی میں سب سے بڑی دیوار بن چکی ہیں۔اس دیوار کو گرائے بغیر پاکستانی سماج

آگے نہیں بڑھ سکتا۔

بین الاقوامی سیاسی صورتحال

امریکی سامراج دنیا میں ہونے والے دو بڑے تنازعات میں ملوث ہے۔یہ فلسطین کے خلاف جارحیت میں اسرائیل کی فعال طور پر حمایت کر رہا ہے، جس کی وجہ سے اب تک دسیوں ہزار لوگ مارے جا چکے ہیں۔امریکہ، روس کے ساتھ جنگ میں یوکرین کو جدید اور مہلک ہتھیاروں سے مسلح کر رہا ہے۔وہ سامراجی مفادات کیلئے اربوں ڈالر فراہم کر رہا ہے-امریکی سامراج یوکرین کی جنگ اور مشرقِ وسطیٰ میں جاری تنازعات میں ایک اہم فریق کی حیثیت سے ملوث ہے، جس کا مقصد عالمی سطح پر اپنی جغرافیائی، معاشی، سیاسی اور فوجی بالادستی کو برقرار رکھنا ہے۔ذیل میں دونوں خطوں میں امریکی کردار کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

روس کو یورپ اور نیٹو کے "مغربی محاذ" تک پھیلنے سے روکنا امریکی خارجہ پالیسی کا مرکز رہا ہے۔یوکرین کو نیٹو میں شامل کرنے کی کوششیں روسی ردِعمل کا سبب بنیں۔جس کے نتیجے میں 2022 میں جنگ شروع ہوگئی۔امریکہ نے یوکرین کو 40 ارب ڈالر سے زائد کی فوجی امداد دی ہے، جس میں ہائیمرس راکٹ سسٹمز، ٹینک، ڈرونز، اور جدید ترین انٹیلی جنس اوزار وہتھیار شامل ہیں۔اس کے علاوہ یورپی ممالک کو روس پر معاشی پابندیاں عائد کرنے پر مجبور کیا۔نیٹو اڈوں کی مشرقی یورپ میں تعمیر، فوجی مشقیں اور یوکرین کی فوج کو تربیت دینے کے ذریعے امریکہ نے روس کو علاقائی طور پر گھیرنے کی کوشش کی ہے۔

یوکرین کی جنگ نے امریکی معیشت پر سخت دباؤ ڈالا جس کے نتیجے میں مہنگائی، بے روزگاری اور افراطِ زر نے امریکی معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ٹرمپ کے جیتنے میں دیگر عوام کے علاوہ یوکرین کی جنگ نے بھی کردار ادا کیا ہے۔ٹرمپ کے صدر بننے کے بعد سے اس کے صدارتی فرمودات نے امریکی طاقت کے ایوانوں اور خاص کر یورپی ممالک میں کھلبلی اور غیر یقینی کی صورتحال پیدا کر دی ہے۔ زیلنسکی۔ٹرمپ ملاقات سے امریکی پالیسی واضح طور پر تبدیل ہوتی ہوئی نظر آتی ہے کہ وہ کیسے یوکرین کے قدرتی وسائل کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے اور یوکرین کی معدنیات پر قبضے کے لئے زیلنسکی پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ روس کی حمایت میں آگے بڑھ رہی ہے اور دنیا میں یہ تاثر بھی دیا جا رہا ہے کہ امریکہ

اس سے روس اور چین کے درمیان فاصلے پیدا کرنا چاہتا ہےتا کہ دونوں کے تعلقات خراب کر کے چین پر مزید دباؤ ڈالا جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ چین کو تنہا کرنے کی پالیسی پر ضرور عمل پیرا ہے لیکن اس کا بنیادی مقصد یوکرین کی جنگ سے جان چھڑانا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے عالمی بحران کے نتیجے میں عالمی معیشت سست روی کا شکار ہے۔ جس سے عدم مساوات، غربت، بے روزگاری، بھوک اور غذائیت کی کمی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ محنت کش طبقے کی اپنے حقوق کے دفاع اور معاشی مشکلات کے خلاف جدوجہد ترقی یافتہ ممالک سمیت بہت سے ممالک میں ہو رہی ہےکچھ ممالک میں اقتدار کی نشستوں پر انتہائی دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں نے میدان مار لیا ہے۔ تاہم، اس عرصے کے دوران، بائیں بازو نے کولمبیا، برازیل، میکسیکو، یوراگوئے اور سری لنکا میں کامیابیاں حاصل کیں ہیں۔ امریکہ اور چین کے درمیان تنازع شدت اختیار کر رہا ہے۔ سوشلسٹ ممالک سامراج کے خلاف مؤثر طریقے سے مزاحمت کر رہے ہیں۔ آج سامراج کے خلاف احتجاج، جنگ اور جدوجہد ہر جگہ ہو رہی ہے۔

امریکی سامراج نے مشرقِ وسطیٰ میں جارحیت کا آغاز تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے بہانے عراق پر حملے سے کیا تھا جس کے نتیجے میں 10 لاکھ سے زائد اموات ہوئیں۔ 2014 میں داعش کے خلاف نام نہاد "جنگ" میں شام پر فضائی حملوں سے ملک کو تباہ کر دیا۔ ایران کے جوہری پروگرام کو روکنے کے لیے پابندیوں کے علاوہ امریکہ، اسرائیل اور سعودی عرب کو ایران کی مشرقِ وسطیٰ میں اسکی حامی پراکسیز اور گروہوں (جیسے یمن میں حوثیوں اور لبنان میں حزب اللہ) کے خلاف ہتھیار اور مالی امداد فراہم کرتا ہے۔ سعودی اتحاد کی یمن میں فضائی بمباری کو امریکی اسلحے اور ایندھن کی مدد حاصل رہی۔ اقوامِ متحدہ کے مطابق یمن میں اب تک 4 لاکھ سے زائد افراد ہلاک ہو چکے ہیں، جن میں اکثریت بچوں اور خواتین کی ہے۔

اسرائیل نے 7 اکتوبر 2023 کو حماس کے حملے کے بعد پندرہ ماہ تک غزہ میں نسل کشی کا سلسلہ جاری رکھا۔ جنگ بندی کا اعلان ہونے تک اسرائیل کی وحشیانہ جارحیت میں 47,035 فلسطینی شہید اور ایک لاکھ زخمی ہو چکے ہیں۔ ہلاک ہونے والوں میں تقریباً 60 فیصد خواتین اور بچے ہیں۔ اسرائیل نے سکولوں، ہسپتالوں، اقوامِ متحدہ کی قائم کردہ پناہ گزین کیمپوں اور نہتے شہریوں پر حملے کر کے تمام بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کی۔ اس نے ڈرونز اور ممنوعہ

ہتھیاروں کا استعمال کیا اور ٹارگٹ کلنگ کی۔

اسرائیل فلسطین کی تباہی کے بعد بہت سے مغربی ایشیائی ممالک پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے کیونکہ اسے امریکہ کی حمایت حاصل ہے۔ امریکہ نے 2023 سے اسرائیل کو ہتھیاروں کی برآمدات میں اضافہ کیا ہے۔ امریکہ کی طرف سے دی جانے والی مالی امداد میں بھی پانچ گنا اضافہ دیکھا گیا، جو 3.6 بلین ڈالر سے 17.9 بلین ڈالر تک پہنچ گئی۔ امریکہ نے اقوام متحدہ میں فوری جنگ بندی کا مطالبہ کرنے والی تمام قراردادوں کو ویٹو کر دیا۔ انہوں نے بین الاقوامی عدالت انصاف کو نظر انداز کیا، جس نے اسرائیل کے اقدامات کو نسل کشی کا باعث قرار دیا تھا۔ یہ یقینی بنانا امریکہ کے مفاد میں ہے کہ اس تنازع سے ایک مضبوط اور طاقتور اسرائیل ابھرے۔ کیونکہ اسرائیل کے ذریعے ہی مغربی ایشیا میں امریکہ کی بالادستی برقرار رہے گی۔

اسرائیل نے لبنان پر حملہ کر کے تنازعے کے علاقے کو وسیع کیا، جہاں جنگ بندی کے اعلان سے قبل 3,700 سے زائد افراد ہلاک ہو گئے۔ اس نے لیبیا، شام، یمن، ایران اور عراق پر بمباری کی ہے۔ امریکہ اور برطانیہ نے بھی یمن پر حملے میں ساتھ دیا ہے اور ایران پر اسرائیل کے حملے کی حمایت کی ہے۔ ایران اور شام کے اندر اعلیٰ ایرانی جنرل مارے گئے۔ جنگ بندی کے اعلان کے ساتھ ہی غزہ پر اسرائیل کا حملہ عارضی طور پر روک دیا گیا، جس پر تین مرحلوں میں عمل کیا جائے گا۔ اعلان کے 24 گھنٹوں کے اندر، اسرائیل نے اعلان کیا کہ وہ غزہ پر کسی بھی وقت حملہ کرنے کا حق رکھتا ہے، جس سے جنگ بندی معاہدے کی حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ جنگ بندی محض دکھاوے کی تھی اور اسرائیل نے اپنے چند قیدیوں کی رہائی کیلئے جنگ بندی کا یہ ڈھونگ رچایا تھا۔

عالمی سامراج کی بالادستی اور دنیا کے وسائل پر قبضوں کی پالیسی کے نتیجے میں امریکہ، چین، روس، اور دیگر بڑی طاقتوں کے درمیان کشیدگی (مثلاً یوکرین جنگ، تائیوان تنازعہ، جنوبی چین سمندر) نے مختلف ممالک کو اپنی فوجی طاقت بڑھانے پر مجبور کیا ہے۔ علاقائی تنازعات (جیسے مشرقِ وسطیٰ، کشمیر) بھی فوجی اخراجات بڑھانے کا سبب بنتے چلے آ رہے ہیں۔ جس سے ریاستوں کے وسائل کا ایک بڑا حصہ ان غیر ترقیاتی اخراجات کی نذر ہو جاتا ہے اور عوام کے بنیادی مسائل نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔

2023-24 میں عالمی فوجی اخراجات 25 کھرب ڈالر تک پہنچ گئے-امریکہ بدستور نہ صرف دفاع پر سب سے زیادہ خرچ کرنے والا ملک ہے اور اس کے نیٹو اتحادیوں کے ساتھ مل کر عالمی فوجی اخراجات میں اس کا نصف سے زیادہ حصہ ہے بلکہ پوری دنیا کو مہلک اسلحہ بیچنے والا سب سے بڑا ملک بھی وہی ہے۔امریکہ میعاد ختم ہونے والے جوہری ڈیٹرنس معاہدوں پر دوبارہ دستخط کرنے سے گریزاں ہے۔ نیو اسٹریٹجک آرمز ریڈکشن ٹریٹی (نیو اسٹارٹ)، جو کہ امریکہ اور روس کے درمیان جوہری ہتھیاروں کے کنٹرول کے معاہدے میں سے آخری ہے، یوکرین کی جنگ کے بعد سے معطل ہے۔ہتھیاروں پر قابو پانے کے مختلف معاہدوں کی میعاد ختم ہونے اور بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے نئے ہتھیاروں کی تیاری پر بڑھتے ہوئے اخراجات نے پوری دنیا کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

افریقی براعظم میں فوجی بغاوتوں اور اندرونی تنازعات کے نتیجے میں بڑی تعداد میں نقل مکانی ہوئی ہے۔ 2022 سے اب تک افریقہ میں آٹھ بغاوتیں ہوئیں جن میں سے تین کامیاب ہوئیں۔تنازعات اور سماجی بدامنی کی وجہ سے 45 ملین سے زیادہ لوگ بے گھر ہیں۔15 ممالک، جو ساحلی علاقے سے ملحقہ علاقوں کی تشکیل کرتے ہیں، عظیم جھیلیں اور ہارن آف افریقہ ان تنازعات سے بنیادی طور پر متاثر ہوئے ہیں۔سوڈان ان میں سب سے زیادہ متاثرہ ملک ہے۔ جہاں خانہ جنگی اب بھی جاری ہے۔ افریقہ میں امریکہ اپنی فوجی کمانڈ سینٹر افریقام کے ذریعے کئی ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتا رہتا ہے۔ نیز، وہ ہمارے خطے میں بھی سازشیں کرنے میں مصروف ہے۔

پچھلے تین سالوں میں، فرانس کو اپنی سابقہ کالونیوں جیسے مالی، برکینا فاسو، نائجر، چاڈ، سینیگال اور آئیوری کوسٹ سے اپنی فوجیں ہٹانے پر مجبور کیا گیا۔ پوری دنیا میں لوگ اپنی سرزمین پر تعینات غیر ملکی فوجیوں کے انخلا کا مطالبہ کرتے ہوئے احتجاج کر رہے ہیں۔افریقہ کے بہت سے ممالک اپنے تعلقات میں تنوع لانا چاہتے ہیں، جس سے سامراجی ممالک ناراض ہیں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ اقوام متحدہ ایک بین الاقوامی تنظیم ہے جس کا قیام 1945 میں دوسری عالمی جنگ کے بعد امن، سلامتی، اور بین الاقوامی تعاون کو فروغ دینے کے لیے برٹن ووڈ سسٹم کے تحت کیا گیا تھا۔اس سسٹم میں دیگر ادارے بھی بنائے گئے تھے جن میں ورلڈ بینک اور

آئی ایم ایف نمایاں ہیں-گو اقوام متحدہ کے ادارے کو بنانے والی دوسری عالمی جنگ کی فاتح اتحادی طاقتیں تھیں۔لیکن دنیا کو اقوام متحدہ کی پیش رو تنظیم لیگ آف نیشنز کے تلخ تجربات تھے۔ جس پر سب سے بڑا الزام یہی تھا کہ لیگ عالمی جنگیں روکنے میں ناکام رہی تھی-اقوام متحدہ کے اغراض و مقاصد بہت وسیع ہیں جس میں بین الاقوامی امن و سلامتی کا قیام، انسانی حقوق کا فروغ، معاشی و سماجی ترقی، انسانی ہمدردی اور امداد، ماحول اور آب و ہوا کا تحفظ، اور بین الاقوامی قوانین کی پاسداری وغیرہ شامل ہیں-

لیکن حالیہ برسوں میں اقوام متحدہ غزہ، یوکرین، سوڈان، کانگو وغیرہ میں درپیش انتہائی پرتشدد تنازعات کو ختم کرنے میں ناکام رہا ہے۔نیز یہ واضح ہوتا جا رہا ہے کہ حقیقی طاقت ان ممالک کے ہاتھ میں ہے جو سیاسی، فوجی، مالی اور ویٹو پاور رکھتے ہیں۔امریکہ اور اسرائیل جیسے ممالک جو چاہیں کر رہے ہیں، بشمول اقوام متحدہ کے بجٹ میں سے اپنا حصہ ادا کرنے سے انکار کرنا اور اقوام متحدہ کی ان تنظیموں کو غیر قانونی قرار دینا جنہیں بین الاقوامی قانون کی پاسداری کا کام سونپا گیا ہے۔بین الاقوامی امن اور سلامتی کی بحالی میں اقوام متحدہ کی ناکامی اس کے ارکان کے درمیان غیر مساوی طاقت کا اظہار ہے۔گو کہ اقوام متحدہ نے عالمی سطح پر امن، ترقی، تعلیم عام کرنے، آفات اور وبائی امراض میں مدد اور انسانی حقوق کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے، لیکن اس کی مزید اصلاح اور مضبوطی کے لیے بین الاقوامی تعاون اور سیاسی عزم کی ضرورت ہے۔

سوویت یونین کے بکھرنے کے بعد دنیا دو قطبی سے یک قطبی کیا ہوئی کہ امریکی سامراج نے جارحیت اور انسانی حقوق کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے- پسماندہ، ترقی پزیر ممالک کے سامنے تمام آپشن ختم ہو گئے اور صرف ایک ہی راستہ باقی بچا کہ وہ امریکی سامراج کی ماتحتی قبول کریں یا تباہ ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔لیکن گزشتہ دو دہائیوں سے تبدیلی کی ہوا چلنی شروع ہو چکی ہے اور دنیا یک قطبی سے کثیر قطبی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ جغرافیائی سیاسی، اقتصادی اور تکنیکی تبدیلیوں کے ذریعے طاقت کے عالمی توازن میں نمایاں تبدیلیاں وقوع پذیر ہو رہی ہیں۔اس کی مثال یورپ اور کینیڈا کے امریکہ کے ساتھ جنم لینے والے تنازعات ہیں۔

اس کثیر قطبیت میں کلیدی محرک کے طور پر عوامی جمہوریہ چین کا کردار سامنے آیا ہے- اقتصادی ترقی، فوجی جدید کاری، اور بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایٹو جیسے اقدامات چین کو امریکہ کے عالمی

مقابلے کے طور پر دیکھتے ہیں۔ چین کی امن کی کوششوں کی مستقل مزاجی اور علاقائی تنازعات کو مذاکرات سے حل کرنے کی پالیسی اس کے اثر ورسوخ کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ دوسری طرف امریکی سامراج کی جنوبی بحیرہ چین میں چین کے گھیراؤ کی پالیسی کی ناکامی سے بھی عوامی جمہوریہ چین کی اخلاقی بالادستی میں اضافہ ہوا ہے۔

امریکی سامراج کی مشرقِ وسطیٰ اور یوکرین وغیرہ میں مداخلت اور توانائی کے وسائل پر قبضے اور اسرائیل کی پشت پناہی نے بھی امریکی سامراج کے خلاف مزاحمت کو بڑھاوا دیا ہے۔ روس نے توانائی کی سیاست میں خلل ڈال کر امریکہ کے خلاف اپنے کردار کو واضح کیا ہے۔ ہندوستان، برازیل، اور علاقائی بلاکس (آسیان، افریقی یونین) کی اقتصادی ترقی اور فوائد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، زیادہ سے زیادہ جیو پولیٹیکل اہمیت کے خواہاں ہیں۔ چین اور روس کی قیادت میں برکس ممالک کے اتحاد کو دنیا کے مختلف خطوں سے پانچ نئے ممبروں کو شامل کر کے توسیع دی گئی۔ نیا ابھرنے والا برکس پلس اتحاد عالمی آبادی کے نصف سے زیادہ اور عالمی جی ڈی پی کے 37 فیصد کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان ممالک نے اپنی قومی کرنسیوں میں تجارت کی حوصلہ افزائی کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس طرح اپنی تجارت کے لیے ڈالر پر انحصار کم کر دیا ہے۔ یہ امریکی سامراج اور اس کے ڈالر کے تسلط کے لیے ایک دھچکا ہوگا۔ بہت سے ممالک اس گروپ میں شامل ہونے میں دلچسپی ظاہر کر رہے ہیں اور ممبر بننے کے لیے درخواست دے چکے ہیں۔ اس گروپ کو مزید وسعت دینے کی طرف ایک قدم کے طور پر، کچھ ایسے ممالک کو 'پارٹنر اسٹیٹس' کے طور پر منسلک ہونے کی اجازت ہے۔

دنیا کا کثیر قطبی کی طرف رجحان حقیقی لیکن ناہموار ہے۔ گو یک قطبی طاقت منتشر ہو رہی ہے، لیکن ابھی تک امریکہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور کوئی ایک ادا کار ابھی تک اس کی جامع رسائی سے مماثلت نہیں رکھتا - دنیا مسابقتی علاقائی آرڈرز کے ساتھ ایک " کثیر دائرے " میں تبدیل ہو سکتی ہے۔

آئی ایم ایف کے مطابق 2024 اور 2025 میں عالمی اقتصادی ترقی کے 3.2 فیصد پر مستحکم رہنے کا امکان ہے۔ یہ شرح ترقی یافتہ اور ترقی پذیر دونوں معیشتوں کے لیے وبائی امراض سے پہلے کے سالوں میں رجسٹرڈ ہونے والی شرح سے کم اور اقتصادی، سماجی، ترقیاتی اور ماحولیاتی

چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے ناکافی ہیں۔ یہ خاص طور پر 46 کم ترقی یافتہ ممالک کے لیے تشویشناک اور پائیدار ترقی کے اہداف کو حاصل کرنے کے لیے درکار ہدف 7 فیصد سے بری طرح سے کم ہے۔

دنیا بھر کے لوگوں کے لیے افراطِ زر بدستور ایک بڑی تشویش ہے۔ 2024 میں عالمی سطح پر اشیائے صرف کی قیمتوں میں 4.3 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اشیائے صرف کی بڑھتی ہوئی قیمتوں نے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک دونوں میں قوتِ خرید کو ختم کر دیا ہے۔ اور روزمرہ کی ضروریات زندگی اور کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتوں میں بلا روک ٹوک اور من پسند اضافہ کیا جاتا رہا۔ زرعی اجناس، جیسے تیل کے بیجوں اور تیل کی قیمتوں میں بھی اسی طرح کے اتار چڑھاؤ کا سامنا کرنا پڑا، جبکہ چاول کی قیمت فروری 2022 کی سطح سے نیچے نہیں گری۔ کھادوں کی قیمتیں بھی وبائی امراض سے پہلے کی سطح سے بڑھ گئیں۔

مہنگائی میں اضافہ سرمایہ دارانہ نظام کے بے شمار عوامل کے مجموعے کی وجہ سے ہے، بشمول یوکرین جنگ، علاقائی تنازعات، اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ، مارکیٹ کا بڑھتا ہوا ارتکاز اور بڑی کارپوریشنوں، خاص طور پر زرعی خوراک اور توانائی کی کارپوریشنوں کی قیمتوں کے تعین کا رویہ۔ اجناس کی اونچی قیمتوں سے اس وقت تک کوئی راحت نہیں ملے گی جب تک کہ مسابقتی مخالف طریقوں پر لگام لگانے کے لیے ٹھوس اقدامات نہ کیے جائیں، مارکیٹ کی غالب پوزیشنوں کا غلط استعمال اور اہم شعبوں میں کارپوریٹ ارتکاز کے ساتھ ساتھ زرعی اجناس میں مالی قیاس آرائیوں کو روکنے کے لیے اقدامات نہ کیے جائیں۔

اجناس کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے اثرات محنت کش طبقے نے شدت سے محسوس کیے ہیں، کیونکہ ان کی حقیقی اجرت میں اضافہ نہیں ہوا۔ مجموعی طور پر 791 ملین کارکنوں نے دیکھا ہے کہ ان کی اجرت مہنگائی کو برقرار رکھنے اور زندگی کی ضروریات پوری کرنے میں ناکام رہی ہے۔ اجرتوں میں کمی مزدوروں کی آمدنی کے گرتے ہوئے حصہ میں بھی نظر آتی ہے، جو عالمی سطح پر 0.6 فیصد پوائنٹس کی کمی سے 2019 میں 52.9 فیصد سے 2022 میں 52.3 فیصد تک گر گئی تھی اور اس کے بعد سے ایک جیسی ہی رہی ہے۔ جبکہ کمی فیصد پوائنٹس کے لحاظ سے معمولی دکھائی دیتی ہے، 2014 میں یہ مزدوروں کی آمدنی میں 2.4 ٹریلین ڈالر کی سالانہ کمی کی نمائندگی کرتا ہے۔

حالیہ برسوں میں عالمی سطح پر بے روزگاری کی شرح جو 2009 میں تقریباً 5 فیصد تھی اب بڑھ کر 15 فیصد ہوگئی ہے، 2024 میں 20 لاکھ ملازمین اور ورکر اپنی ملازمتیں کھو بیٹھے ہیں۔ 2023 میں عالمی سطح پر صرف نوجوانوں کی بے روزگاری کی شرح 13 فیصد، یا 64.9 ملین ہے۔ دنیا میں 27.6 ملین لوگ جبری مشقت کر رہے ہیں اور سرمایہ دار ہر سال جبری مشقت سے 236 بلین ڈالر منافع کما رہے ہیں۔ جبری مشقت کا 86 فیصد نجی شعبے میں ہے۔ یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سرمایہ استحصالی اجرت پر محنت چاہتا ہے اور مزدوروں کو مزدوری کی ان شکلوں میں ملازمت دیتا ہے جہاں سے وہ ان کی تمام محنت کی طاقت کو نچوڑ سکے۔

2023 تک، دنیا کی تقریباً 46 فیصد آبادی، یا تین ارب سے زیادہ افراد، خط غربت کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ گلوبل نارتھ اور گلوبل ساؤتھ کے درمیان خلیج 25 سالوں میں پہلی بار بڑھی ہے۔ دنیا بھر میں تقریباً 700 ملین لوگ انتہائی غربت میں رہتے ہیں، جو کہ فی شخص 2.15$ سے بھی کم یومیہ پر زندگی گزار رہے ہیں۔ 2023 میں، دنیا کی 10.7 فیصد آبادی (864.1 ملین افراد) شدید غذائی عدم تحفظ سے متاثر تھی۔ بھوک کا شکار ہونے والے تقریباً 60 فیصد لوگ خواتین اور لڑکیاں ہیں۔ موسمیاتی خرابی بھی عالمی عدم مساوات میں اضافے کا باعث بن رہی ہے۔

جنوب ایشیائی پڑوسی ممالک

ہمارے پڑوسی ممالک میں اہم پیش رفت ہو رہی ہے، بہت سے ممالک اپنی اپنی حکومتوں کے خلاف زبردست عوامی مظاہروں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ان مظاہروں میں سے اکثر کی قیادت طلباء اور نوجوان کر رہے ہیں، جن میں تمام طبقے کے لوگ شامل تھے۔ ان مظاہروں میں سب سے اہم مطالبات بدعنوانی کے خلاف جنگ، ضروریاتِ زندگی کی بڑھتی ہوئی قیمتیں، معاشی بحران اور آمرانہ طرز حکومت کا خاتمہ ہیں۔ اکثر پولیس اور مسلح افواج کے وحشیانہ طریقے سے ان مظاہروں کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن کامیابی نہیں ملتی۔

1- بنگلہ دیش میں، عوامی لیگ کی سربراہ شیخ حسینہ واجد کی آمرانہ حکومت، طلباء کی زیرِ قیادت عوامی تحریک کی وجہ سے گرگئی۔ یہ مظاہرے آزادی پسندوں کی اولاد کے کوٹے کے خلاف احتجاج کے طور پر شروع ہوئے تھے لیکن جلد ہی ملک بھر میں پھیل گئے اور حکومت کی آمرانہ حکمرانی

کے خلاف احتجاج کے طور پر ایک وسیع کردار اختیار کرلیا۔ انہیں وحشیانہ جبر کا سامنا کرنا پڑا، پولیس کی فائرنگ میں سینکڑوں افراد مارے گئے۔ فوج نے حکومت کی حمایت میں مداخلت کرنے سے انکار کردیا تو شیخ حسینہ کو بھارت بھاگنا پڑا۔ افراتفری کے درمیان، بنیاد پرست طاقتوں نے فرقہ وارانہ تقسیم پیدا کرنے کے لیے اقلیتوں کو نشانہ بنایا اور ان پر حملہ کیا۔ سیکولر اپوزیشن کو بھی ٹارگٹ حملوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مذہبی بنیاد پرست اور انتہا پسند عناصر جنہیں گرفتار کرکے جیلوں میں ڈالا گیا تھا، عبوری حکومت نے رہا کردیا۔ یہ پیش رفت آئین اور سیاسی نظام میں مجوزہ تبدیلیوں کے بارے میں خدشات کو جنم دے رہی ہیاور مستقبل کے بنگلہ دیش کی شکل وصورت واضح کرتی ہے- امریکہ اور اس کے مغربی اتحادی مداخلت کرکے اپنے مفادات کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بنگلہ دیش کا تزویراتی محل وقوع ان کی دلچسپی کی ایک اہم وجہ ہے۔ جمہوری قوتوں کو اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ یقینی بنانا ہوگا۔ بنگلہ دیش کی جمہوریت اور خودمختاری کو ہر قسم کے بیرونی اثرات اور دباؤ سے محفوظ رکھنا بھی ان کی ذمہ داری ہے۔ عوام کی حقیقی شکایات کا ازالہ کرکے ہی وہ ملک کو تفرقہ انگیز اور سامراجی قوتوں کا شکار ہونے سے بچاسکتے ہیں۔

2- سری لنکا میں صدارت اور اس کے بعد پارلیمنٹ کے لیے ہونے والے انتخابات میں لوگوں نے کرپٹ اشرافیہ سے تنگ آکر تبدیلی کے لئے دو جماعتوں جے وی پی اور این پی پی کی قیادت میں فیصلہ کن ووٹ دیا- سری لنکا میں جے وی پی لیڈر انورا کمارا ڈسانائیکے کو ایک تاریخی فیصلے میں ریاست کا ایگزیکٹو سربراہ منتخب کرلیا گیا۔ پارلیمانی انتخابات میں، این پی پی نے شاندار جیت حاصل کی، 70 فیصد منتخب اراکین اسمبلی کا تعلق اس ترقی پسند، بائیں بازو کے اتحاد سے ہے۔ یہ ہمارے خطے میں بہت اہم اور مثبت پیش رفت ہے۔

3- افغانستان سے امریکہ کے انخلاء کے نتیجے میں طالبان کی حکومت قائم ہوئی اور شاید طالبان کو واپس اقتدار میں لانا امریکہ کی طے شدہ حکمت عملی تھی۔ اب طالبان حکومت کو بتدریج مختلف ممالک تسلیم کر رہے ہیں۔ پاکستان کے ساتھ افغان حکومت کے تعلقات مسلسل خرابی کی طرف جا رہے ہیں اس کی بڑی اور بنیادی وجہ تو پاکستانی حکمرانوں اور خاص کر ملٹری افسر شاہی کی افغان پالیسی ہے، لیکن تازہ وجہ پاکستان میں دہشت گرد گروہوں کے ساتھ افغان طالبان کا مسلسل تعاون اور ان کی میزبانی جاری رکھنا ہے۔ طالبان خاص طور پر خواتین کے حقوق اور ان کی

تعلیم کے حوالے سے اپنی رجعتی پالیسیوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

4-نیپال میں، سی پی این (یوایم ایل) نیپالی کانگریس کے ساتھ مل کر بنائی گئی مخلوط حکومت کی سربراہی کررہی ہے۔سابقہ متحد کمیونسٹ پارٹی ایک بار پھر تین مختلف دھڑوں میں بٹ گئی ہے۔ کمیونسٹ تحریک میں پھوٹ نے کچھ لوگوں کو ان جماعتوں سے دور کر دیا ہے۔شہنشاہیت پسند قوتیں عوامی عدم اطمینان کو ایک بار پھر عوام میں قبولیت حاصل کرنے اور ایک متبادل سیاسی قوت کے طور پر ابھرنے کی کوشش کررہی ہیں۔ ہندوتوا کے حامی، آر ایس ایس عناصر ان طاقتوں کی سرگرم حمایت کررہے ہیں اور نئے منظور شدہ سیکولر آئین اور کمیونسٹ پارٹیوں کے خلاف مہم چلا رہے ہیں۔ دونوں ممالک کی حکومتیں ابھی بھی مذہبی معاملے کو اپنے اپنے مقاصد کی برآری کی خاطر افسوس ناک حد تک استعمال کررہی ہیں۔

5-انڈیا میں مودی حکومت تیسری بار برسرِ اقتدار آئی ہے جو کی انڈین سرمایہ دار طبقے کی نمائندہ ہے- ہندوستان کی بورژوازی علاقے میں ایک طاقتور قوت کے طور پر سامنے آئی ہے جس کے توسیع پسندانہ عزائم بھی ہیں اور پڑوسی ریاستوں کے ساتھ مودی حکومت کا اندازِ تخاطب تحکمانہ ہے۔ ایک طرف ہندوستان امریکہ کے ساتھ پینگیں بڑھاتا ہے تو دوسری طرف امریکہ مخالف کیمپ میں بھی اپنی مضبوط جگہ بنانے میں کامیاب ہوا ہے۔ بدقسمتی سے انڈیا اور پاکستان کے تعلقات اب بھی سردمہری کا شکار ہیں۔اور المیہ یہ بھی ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان اسلحے کی دوڑ، جنگیں، مذہبی انتہا پسندی اور کشمیر کے مسئلے نے تعلقات کو معاندانہ رکھا ہوا ہے جس سے دونوں ملکوں میں بھوک اور ننگ کا راج ہے- اور ہزاروں میل کا بارڈر، مشترکہ ثقافتی ورثہ اور زبانوں کے اشتراک سے دونوں ملکوں کے حکمرانوں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور اب بھی دونوں ریاستوں کے مابین تجارتی حجم دو ارب ڈالر سے بھی کم ہے اور مستقبل قریب میں دونوں ممالک کے درمیان پایا جانے والا یہ تناؤ کم ہونے کے بھی کوئی آثار نظر نہیں آرہے۔

سوشلسٹ ممالک

1-عوامی جمہوریہ چین؛ عوامی ورکرز پارٹی کی گزشتہ کانگریس جو مارچ 2022 میں ہوئی تھی، میں منظور کی گئی سیاسی قرارداد میں چین اور سوشلسٹ ممالک کے بارے میں جو تجزیہ کیا گیا تھا وہ درست ثابت ہوا ہے۔جس میں کہا گیا تھا کہ امریکہ نے 'سٹریٹجک حریف' کے طور پر درجہ

بندی کرتے ہوئے چین کو تنہا کرنے' کے لیے اقدامات کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔اس عرصے میں، امریکہ نے چین کو قابو اور الگ تھلگ کرنے کی اپنی کوششیں تیز کر دی ہیں، لیکن اسے زیادہ کامیابی نہیں ملی۔تاہم اس بات کا اثر سامراج اور سوشلزم کے عالمی تضاد پر ضرور پڑے گا۔

امریکہ رکاوٹیں کھڑی کر کے اہم ٹیکنالوجیز، بنیادی آلات اور مواد تک چینی ہائی ٹیک انٹرپرائز کی رسائی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔امریکہ نے چین کو عالمی سیمی کنڈکٹر سپلائی چین سے باہر کرنے کی کوشش میں جنوبی کوریا، جاپان اور تائیوان کے ساتھ 'چپ فور پارٹی الائنس' تشکیل دیا۔بائیڈن انتظامیہ نے تجارتی تعلقات کو ہتھیار بنایا، ٹیرف میں اضافہ کیا۔ اور انتہائی اعلیٰ سطح کی تجارتی جنگ کا اعلان کیا۔امریکہ کی قیادت میں جی 7 اور نیٹو نے کھلے عام اعلان کیا ہے کہ چین ان کے عالمی تسلط کے لیے ایک بڑا خطرہ ہے اور اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ چین پر قابو پانے، اسے الگ تھلگ کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے سرمایہ دار ملکوں کی اتحاد کو مضبوط کرے گا۔

ان تمام حملوں کے باوجود، چین اشتراکیت پزیر معیشت کا سب سے بڑا گروتھ انجن بنا ہوا ہے، اس کی جی ڈی پی 2024 کی پہلی تین سہ ماہیوں میں سالانہ 4.8 فیصد تک بڑھ رہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریباً 5 فیصد سالانہ ترقی کے ہدف کو حاصل کرنا ہے۔ اس کا جی ڈی پی 2023 میں 126 ٹریلین یوآن سے تجاوز کر گیا، جس میں 5.2 فیصد کا اضافہ ہوا۔عالمی زرمبادلہ میں چینی کرنسی کا حصہ اور ٹرن اوور 20 سال پہلے 1 فیصد سے کم سے بڑھ کر اب 7 فیصد سے زیادہ ہو گیا ہے، جو اس کے قابلِ اعتماد اقتصادی پاور ہاؤس میں سے ایک کے طور پر ابھرنے کی علامت ہے۔چین نے ریاستی ملکیت کے شعبے کو مضبوط کرنے اور اس بات کو یقینی بنانے کا فیصلہ کیا ہے کہ ریاستی سرمایہ اور سرکاری ملکیت والے ادارے مضبوط ہوں، بہتر ہوں اور بڑے ہو جائیں۔ان کے بنیادی افعال اور بنیادی مسابقت کو بڑھایا جائے۔اس نے اپنی معیشت کو مزید تقویت دینے کے لیے تقریباً 900 بلین ڈالر کے محرک کا بھی اعلان کیا۔

ایک سو پچاس سے زیادہ ممالک اور 30 سے زیادہ بین الاقوامی تنظیمیں چین کے بیلٹ اینڈ روڈ انیشیٹو میں شامل ہو چکی ہیں۔ بی آر آئی کو یکساں اور باہمی طور پر فائدہ مند بنیادوں پر بین الاقوامی تعاون کے لیے ایک اہم پلیٹ فارم کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔تاہم چین کو پاکستان میں

اپنے میگا پروجیکٹس کے اثرات بالخصوص ماحولیاتی آلودگی اوران پراجیکٹس کے حوالے سے زبردست اقوام کا نقطہ نظر معلوم کرنا اوراس کو درخورِ اعتنا ضرور سمجھنا چاہیے۔ بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے چین کے نقطہ نظر میں بھی واضح تبدیلی آئی ہے۔ اب یہ مختلف پیش رفتوں اور تنازعات کے حل میں سرگرم عمل ہے، جیسے کہ یوکرین میں جنگ کے خاتمے کے لیے ایک منصوبہ تجویز کرنا، ایران اور سعودی عرب کے تعلقات کی بحالی میں مدد کرنا اور اسرائیل کے خلاف لڑنے والی فلسطینی تنظیموں کے مختلف دھڑوں اور گروہوں کو اکٹھا کرنا۔ جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ چین مستقبل میں عالمی سامراج کی وحشت اور بربریت کے خلاف ترقی پزیر اور پسماندہ ممالک کے لئے ایک کرن ثابت ہوسکتا ہے۔

2- ویتنام: ویتنام دنیا کی سب سے تیزی سے ترقی کرنے والی معیشتوں میں سے ایک ہے، جس کی 2024 میں جی ڈی پی کی شرح نمو 6.8 سے 7 فیصد متوقع ہے۔ فی کس جی ڈی پی 2024 میں 4900$ تک پہنچ گئی ہے، جو تین دہائیوں قبل 200$ سے زیادہ تھی۔ کثیر جہتی غربت کی شرح کم ہوکر 1 فیصد کے قریب آ گئی ہے، جب کہ بے روزگاری کی شرح تقریباً 4 فیصد ہے۔ کمیونسٹ پارٹی آف ویتنام نے فضول خرچی اور بدعنوانی کے خلاف کریک ڈاؤن کرنے اور ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے سرکاری اداروں کی آپریشنل کارکردگی کو بہتر بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔

3- کیوبا: کیوبا کی معیشت ابھی تک سخت معاشی ناکہ بندی کے اوپری حصے میں ہے اور ابھی تک، کووِڈ وبائی بیماری کی وجہ سے درپیش معاشی دھچکے پر قابو نہیں پاسکی ہے۔ ترسیلاتِ زر جو کہ آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہیں، منقطع ہیں اور ایندھن فراہم کرنے والے ممالک پر عائد پابندیوں کی وجہ سے ایندھن کی قلت ہوگئی ہے۔ کیوبا ان تمام بحرانوں پر قابو پانے کے عمل میں ہے، خاص طور پر خوراک، ایندھن کی کمی اور بجلی--- کیوبا امریکی سامراج کے شدید حملے کی مزاحمت کر رہا ہے، جس کا خیال ہے کہ کیوبا میں حکومت کی تبدیلی کو نافذ کرنے کا وقت آ گیا ہے اور وہ جھوٹ پھیلا کر بدامنی کو ہوا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

4- شمالی کوریا: شمالی کوریا کی معیشت 2023 میں مسلسل تین سالوں تک سکڑ جانے کے بعد تیزی سے بڑھی ہے۔ کیونکہ چین کے ساتھ تجارت میں اضافہ ہوا۔ اس کی جی ڈی پی میں 3.1

فیصد اضافہ ہوا، صنعتی پیداوار میں 4.9 فیصد (سات سالوں میں سب سے تیز رفتار)، تعمیراتی شعبے میں 8.2 فیصد (2002 کے بعد سب سے بڑا) اور زرعی شعبے میں 1.0 فیصد اضافہ ہوا-- روس نے باہمی دفاعی معاہدے پر دستخط کرتے ہوئے تجارت، معیشت اور سرمایہ کاری میں تعاون کو وسعت دینے پر اتفاق کیا۔

5- لاؤس: سیاحت، نقل وحمل، لاجسٹکس اور توانائی کے شعبوں کے فروغ کے ساتھ، 2024 میں لاؤس کی جی ڈی پی میں 4.6 فیصد اضافہ متوقع ہے، جو اپنے ہدف سے آگے نکل جائے گا۔ مہنگائی، شرحِ مبادلہ میں اتار چڑھاؤ، اجناس کی بڑھتی ہوئی قیمتوں، غیر ملکی قرضوں کے بوجھ اور شدید سیلاب سمیت گزشتہ سال کے دوران اہم چیلنجوں کے باوجود، حکومت اقتصادی ترقی کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہی ہے۔ لاؤ پیپلز ریوولیوشنری پارٹی نے عوامی قرضوں، افراطِ زر، شرح مبادلہ اور زندہ رہنے کے بڑھتے ہوئے اخراجات سے نمٹنے کی ضرورت کو ترجیح دی ہے۔

اس تمام عرصے میں سامراج نے چین، کیوبا اور شمالی کوریا پر اپنے حملوں میں اضافہ کیا ہے۔ لیکن امریکہ کی قیادت میں سامراج ان کمیونسٹ پارٹیوں سوشلزم اور مارکسزم-لیننزم کو واضح طور پر 'امپیریلزم' کے لیے خطرہ سمجھتا ہے۔ سامراج اور اس کے اتحادی سامراج اور سوشلزم کے درمیان مرکزی تضاد کو تیز کرتے ہوئے کمیونسٹ نظریے کو کمزور کرنے اور ان سوشلسٹ ممالک کو غیر مستحکم کرنے کی تمام کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں-

ملکی سیاسی ومعاشی صورتحال اور معاشرہ کی سماجی وطبقاتی ساخت

اس وقت ہم پاکستان میں پارلیمانی جمہوریت کے نام پر جاگیرداروں، عالمی سرمایہ داری کے ایجنٹوں، سول وفوجی افسر شاہی اور مختلف قسم کے مافیاز کی آئین، جمہوریت، عدلیہ، پارلیمنٹ کے نام پر طبقاتی لڑائی کے دور سے گزر رہے ہیں- آئین، جمہوریت، انصاف کے نام پر عوام کے ذریعہ معاش اور حقوق پر شدید حملے اور ڈاکے ڈالے جارہے ہیں۔ اس کیساتھ پاکستان کے قدرتی وسائل کی ملٹی نیشنل کمپنیوں اور کارپوریٹ سیکٹر کی لوٹ مار بھی جاری ہے۔ لبرلائزیشن، پرائیویٹائزیشن اور گلوبلائزیشن کی نولبرل معاشی پالیسیوں اور مذہبی انتہا پسندی و دہشت گردی نے معاشی صورتحال کو یرغمال بنالیا ہے جس کے نتیجے میں عوام مہنگائی، بے روزگاری اور غربت کی چکی میں پس رہے ہیں- خیبر پختونخواہ میں دہشت گردی کی لہر نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے

اور بلوچستان میں ایک مخصوص صورتحال ہے جو یقیناً" پاکستان کے حکمرانوں کی 77 سال سے جاری پالیسیوں کا نتیجہ ہے- بلوچستان ایک معاہدے کے تحت پاکستان کا حصہ بنا تھا جس پر آغاز ہی سے عملدرآمد نہیں ہوا۔ بلوچستان کی خصوصی حیثیت ہے۔ اسلئے اسے وہی خصوصی حیثیت دیتے ہوئے ڈیل کیا جائے۔ بلوچستان میں کچھ سردار پہلے دن سے اسٹیبلشمنٹ کے پٹھو رہے ہیں۔ جبکہ کچھ سردار اور عام سیاسی قائدین جو قوم پرست تو ہیں پر پارلیمانی سیاست کے ذریعے صوبے کے حقوق کی جدوجہد جاری رکھنے میں یقین رکھتے ہیں۔ تیسرا عنصر مسلح جدوجہد کرنے والوں کا ہے۔ اسٹیبلشمنٹ نے پارلیمانی سیاست کرنے والے قوم پرستوں کو بھی خود سے دور کر دیا ہے جو عوام اور ریاست کے بیچ پل کا کردار ادا کر سکتے تھے لیکن انہیں دھاندلیوں کے ذریعے ہرا کر قومی اور صوبائی اسمبلی نیز سینیٹ سے باہر کر کے صوبائی اسمبلی کو بونوں سے بھر دیا گیا ہے جس وجہ سے اب وسیع تر عوام کا جھکاؤ مسلح جدوجہد کرنے والوں کی طرف ہو گیا ہے۔ بلوچستان کے معاملے میں ریاست کو جبر و تشدد کا نہیں بلکہ تمام سیاسی قوتوں کے ساتھ مذاکرات کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

لیکن حکومت وقت سیاسی مسئلوں کو بھی طاقت کے ذریعے حل کرنے کی ناکام حکمت عملی سے کام لے رہی ہے۔ توانائی اور دیگر ضروری اشیاء کی قیمتوں میں ہوشربا اضافے کے بعد بہت سے پاکستانی پہلے ہی اضافی آمدنی حاصل کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ یہ جزوی طور پر آئی ایم ایف کی قرض دینے کی شرائط کا نتیجہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے حکومت کو توانائی کی سبسڈی ختم کرنا پڑی لیکن بحیثیت مجموعی یہ پاکستان کے حکمران طبقوں کی لوٹ مار، سرمایہ دارانہ معیشت کے زوال، غیر ترقیاتی اخراجات کی بھرمار اور ناقص اقتصادی و معاشی پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ افراطِ زر کی سطح جون میں ریکارڈ 38 فیصد تک پہنچنے کے بعد نومبر میں یہ 29 فیصد تک گر گئی ہے۔ حالیہ برسوں میں، گندم کا آٹا، گوشت اور چاول جیسی ضروری اشیائے خورد و نوش کی قیمتوں میں کئی بار دگنے سے بھی زیادہ اضافہ ہوا ہے۔

گذشتہ کئی سالوں سے مون سون کے موسم میں تباہ کن سیلاب نے زرعی اراضی کے وسیع رقبے کو متاثر کیا۔ ورلڈ بینک کے تخمینے کے مطابق اس سیلاب کا کل نقصان اور اقتصادی لاگت تقریباً 30 ارب ڈالر تھی۔ اس دوران پاکستان میں اسلامی شرعی قانون کا سخت ورژن نافذ کرنے کے خواہشمند عسکریت پسندوں کے حملوں اور خودکش بم دھماکوں کے سلسلے کے ساتھ سکیورٹی کے

بحران کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے۔ اپنے متنوع، وسیع جغرافیائی خطے و زرعی میدان رکھنے اور نوجوان آبادی کی وجہ سے پاکستان سرمایہ کاروں کے لیے پرکشش ملک ہونا چاہیے تھا، خاص طور پر ٹیکسٹائل، لباس یا آٹوموبائل مینوفیکچرنگ پر مبنی صنعتوں کے لیے۔ لیکن موجودہ سیاسی عدم استحکام کے علاوہ پڑوسی ملک افغانستان میں کئی دہائیوں سے جاری تنازعات نے بھی ملک کو متاثر کیا ہے اور لاکھوں افغان مہاجرین نے سرحد عبور کر کے پاکستان میں پناہ لی ہوئی ہے۔ ان کے علاوہ کئی اور وجوہات کی وجہ سے معیشت کا جنازہ نکل گیا ہے- دیگر شعبوں کی طرح توانائی کا شعبہ بھی بحران کا شکار ہے بجلی کی قیمتیں بھی کئی گنا بڑھا دی گئی ہیں۔ وہ فیکٹریاں جو پیداوار کی بڑھتی ہوئی لاگت کو برداشت نہیں کر پا رہی ہیں، بند ہو رہی ہیں اور جس کے نتیجے میں ہزاروں ملازمتیں ختم ہو رہی ہیں۔

77 سال سے جاری معاشی بدحالی اور روزگار کے مواقع کی کمی نے ہزاروں، لاکھوں نوجوانوں کو ملک چھوڑنے پر مجبور کیا اور بہت سے لوگوں نے کچھا کھچ بھری کشتیوں میں ناہموار سمندروں میں خطرناک اور غیر قانونی طور پر سفر کیا۔ ایسے ہی کئی ایک سفروں کے دوران سینکڑوں پاکستانی نوجوان ہلاک ہو چکے ہیں-

کئی دہائیاں قبل جب پاکستان شمال مغرب میں انتہاء پسند عسکریت پسندوں کے خلاف جنگ لڑ رہا تھا تو چین کے علاوہ دوسرے ممالک کے سرمایہ کار محتاط تھے۔ چین نے اس دوران پاکستان کی معیشت میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کی۔ چین نے اپنے بیلٹ اینڈ روڈ انیشیٹو کے تحت چین- پاکستان اقتصادی راہداری پر 60 ارب ڈالر سے زیادہ کی سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ یہ بحیرہ عرب میں پاکستانی بندرگاہ گوادر کو چین کے شمال مغربی علاقے سنکیانگ سے ہائی ویز، ریلوے اور پائپ لائنوں کے جال کے ذریعے ملاتا ہے۔ امید ہے کہ چین کی سب سے بڑی بیرون ملک سرمایہ کاری کا یہ منصوبہ پاکستان کی معیشت کو فروغ دینے میں مددگار ثابت ہو۔

اس دگرگوں سیاسی سماجی، معاشی اور سیاسی انارکی کے ذمہ دار پاکستان کا حکمران ٹولہ ہے جس میں مسلم لیگ نواز، پیپلز پارٹی، تحریک انصاف، سول و ملٹری افسر شاہی اور عدلیہ شامل ہیں اور پاکستان کا میڈیا بھی چوروں کی اس منڈلی کو بے نقاب کرنے میں ناکام ہو چکا ہے اور وہ ان کی طبقاتی لڑائی اور لوٹ کھسوٹ میں کبھی ایک تو کبھی دوسرے فریق کے ساتھ کھڑا دکھائی دیتا ہے-

پاکستان کے ان تمام مسائل کا حل حکمران طبقے کے تمام فریقین سے جان چھڑوا کر پاکستان کو ایک عوامی جمہوری ریاست بنانے میں ہے-عوامی جمہوری ریاست کا مطلب یہ ہے کہ عوام ان لٹیروں کے جھانسے میں نہ آئیں اپنی طبقاتی پارٹی یعنی عوامی ورکرز پارٹی جیسی سیاسی قوتوں کے ساتھ کھڑے ہوں، پاکستان سے جاگیرداری نظام کا خاتمہ کیا جائے،ایک بڑے پیمانے پر صنعت کاری کا آغاز کیا جائے اور ریاست پاکستان شہریوں کے بنیادی حقوق جس میں معیاری تعلیم کی مفت فراہمی، ہر شہری کو علاج معالجے کی مفت فراہمی، رہائش کے لئے گھر کی فراہمی اور زندگی کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرے۔۔۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو ریاست پاکستان 1973 کے آئین کے تحت پاکستان کے ہر شہری کو فراہم کرنے کی پابند ہے۔

پاکستان کے کسانوں، کاشتکاروں، مزارعین، ہاریوں۔اور کھیت مزدوروں اور دیگر دیہاتی مزدوروں کے بڑھتے ہوئے مسائل اور حکمرانوں کی نااہلی باعث تشویش ہے- موسمیاتی تبدیلیوں، زرعی اجناس کی کم ہوتی ہوئی قیمتوں اور فصلوں کی بڑھتی ہوئی پیداواری لاگت نے پاکستان کے کسانوں اور دیہی آبادی کو سنگین بحران سے دوچار کر دیا ہے۔کئی زرعی ماہرین کا خیال ہے کہ یہ صورتحال اگلے سال ملک میں شدید غذائی بحران کا باعث بن سکتی ہے۔گذشتہ کئی سالوں سے مون سون کے موسم میں تباہ کن سیلاب نے زرعی اراضی کے وسیع رقبے کو متاثر کیا۔

موجودہ حکومت کے کسان دشمن اقدامات جن میں گندم کی گزشتہ فصل کسانوں سے نہ خریدنے کے حکومتی فیصلے نے چھوٹے کاشتکاروں کو کنگال کر دیا ہے۔کیونکہ حکومت نے یوکرین سے گندم درآمد کی تھی جس کی وجہ سے مقامی گندم کی قیمتیں گر گئیں۔اس کے باوجود کسانوں نے رواں سال میں کروڑوں ایکڑ رقبے پر گندم کی کاشت کر کے نہ صرف وطن پرستی کا ثبوت دیا ہے بلکہ پاکستان کو متوقع زرعی بحران اور قحط سے بچایا ہے۔

کاشتکار طبقہ جو پاکستان کو اناج۔سبزیاں۔پھل۔گوشت اور دودھ اور دیگر غذائی اشیاء عوام اور بالخصوص شہری عوام کو فراہم کرتا ہے، ان کو حکومت نے کنگال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جبکہ وہ پہلے ہی پانی کی قلت، جدید ٹیکنالوجی اور مشینری کی کمی، موثر حکومتی زرعی پالیسیوں کے فقدان اور مناسب تحقیق کے نہ ہونے کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہیں۔

نہری پانی کا مسئلہ دن بدن شدت اختیار کرتا جا رہا ہے اور کسان 1962 کے سندھ

طاس معاہدے کی سزا آج تک بھگت رہے ہیں- پاکستان بننے کے بعد سے لیکر اب تک پاکستان کے اندر مختلف اکائیوں کے مابین پانی کی تقسیم پر اکثر جھگڑا رہتا ہے۔ 1991 میں پانی کی تقسیم پر پاکستان کی تمام اکائیوں نے اتفاق کرتے ہوئے پانی کی تقسیم کا ایک معاہدہ کیا لیکن اس پر بھی عملدرآمد تو کجا، اس کی خلاف ورزیاں کی جارہی ہیں۔ زراعت کیلئے خود پنجاب میں بھی پانی کی قلت کا سامنا ہے۔لہٰذا نئے کینال نکالنے کے نتیجے میں اور تو اور پنجاب کی زیر کاشت زمینیں بھی بنجر بن جانے کا خطرہ موجود ہے۔کوٹری ڈاؤن اسٹریم سے آگے دریائے سندھ میں پانی کا بہاؤ یا پانی کا ضیاع نہیں بلکہ انتہائی ضروری ہے۔ایک تو ٹھٹہ، بدین اور سجاول کی لاکھوں ایکڑ زمینیں اسی پانی سے سیراب ہوتی ہیں۔ پھر لاکھوں کی انسانی آبادی اور مویشی ہیں اور آبی حیات کے ساتھ ساتھ سمندر کو روکنے کیلئے بھی اس پانی کا بہاؤ ضروری ہے ورنہ سمندر کا پانی خشک زمین کو مسلسل کھاتا رہے گا۔لہٰذا عوامی ورکرز پارٹی چولستان میں نئی نہروں کی تعمیر کی شدت سے مخالفت کرتی ہے۔

علاوہ ازیں زیر زمین پانی کے مزید کم ہونے سے آبپاشی کا بحران مزید بڑھتا جا رہا ہے اوپر سے مہنگی بجلی۔کھاد۔بیج زرعی ادویات اور زرعی مشینری انتہائی مہنگے داموں خریدنے پر مجبور ہیں۔۔ مسلسل بڑھتے ہوئے زرعی اخراجات کسانوں کے لئے بہت پریشانی کا سبب ہیں۔غلہ منڈیوں میں مافیا کی حکمرانی ہے زرعی ادویات اور دیگر پیداواری اخراجات مسلسل بڑھ رہے ہیں جبکہ زرعی اجناس کی قیمتیں کم ہو رہی ہیں۔۔۔جب کاشت کا موسم آتا ہے تو کھاد کی بلیک ہونا شروع ہو جاتی ہے اور حکومتی مشینری اور افسران کھاد بلیک مافیا کو نہ صرف کنٹرول کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہیں بلکہ خود اس مافیا کا حصہ بن کر غریب کسانوں کو لوٹ رہے ہیں۔حکومت گندم۔۔چاول۔گنا سمیت تمام بڑی فصلوں کی امدادی قیمت پیداواری لاگت کے تناسب سے مقرر کرے،لیکن کسانوں کو منڈیوں۔آڑھتیوں اور مڈل مین کے رحم و کرم پر نہ چھوڑا جائے۔

موسمیاتی تبدیلیاں زرعی شعبے کو بری طرح متاثر کر رہی ہیں، روایتی موسم بدل رہے ہیں، درجہ حرارت بڑھ رہا ہے، بے موسمی بارشیں ہو رہی ہیں اور فصلوں کی بوائی اور کٹائی کی تاریخیں تبدیل ہو رہی ہیں۔اس صورتحال میں کسانوں کو زیادہ قوت برداشت کے حامل بیجوں کی طرف ا؟ نا ہوگا اور متفرق فصلوں کا ماڈل اپنانا ہوگا۔لیکن اس سلسلے میں کوئی حکومتی اقدامات نہ ہونے کے برابر ہیں۔۔درجنوں زرعی تحقیق کے اداروں اور زرعیہ یونیورسٹیوں میں ہزاروں زرعی ماہرین کے

باوجود موسمی مطابقت سے نئے بیج متعارف نہیں کرائے جا رہے اور ملٹی نیشنل کمپنیاں بیج ۔کھاد۔اور زرعی ادویات کی مد میں عوام کو لوٹ رہی ہیں۔ 77 سال گزرنے کے بعد بھی ایک بڑے زرعی ملک کے حکمرانوں کے لئے باعث شرم ہے کہ آج بھی ڈی اے پی کھاد بیرون ملک سے درآمد کی جاتی ہے اور پاکستان میں اس کا کوئی پلانٹ نہیں لگایا گیا۔۔سرکاری زمین بے زمین کسانوں میں تقسیم کرنے کی بجائے ملٹی نیشنل غیر ملکی کمپنیوں اور کارپوریٹ اداروں میں تقسیم کی جا رہی ہے۔

پاکستان کے صنعتی سیکٹر اور اس سے وابستہ ورکرز اور محنت کش عوام کی حالت زار قابل رحم ہے۔ پاکستان کے صنعتی مزدوروں کے مسائل کثیر الجہتی ہیں، جو معاشی، قانونی، سماجی اور حفاظتی پہلوؤں سے جڑے ہوئے ہیں۔ان کا معاشی استحصال کیا جاتا ہے اور وہ اجرتوں کے بحران کا شکار ہیں۔مزدوروں کو مقررہ کم از کم اجرت سے بھی کم تنخواہ دی جاتی ہے خاص طور پر چھوٹے کارخانوں میں جہاں زبانی معاہدوں کی وجہ سے مزدوروں کا استحصال بڑھتا جا رہا ہے مزدوروں کو تنخواہیں بروقت نہ ملنے کی شکایات عام ہیں، جس کی وجہ سے وہ قرضوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ مہنگائی کا بڑھتا ہوا مسلسل بوجھ اور اجرتوں میں اضافہ نہ ہونے سے مزدوروں کی قوت خرید شدید کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہے۔سرمایہ داری نظام اپنی وحشت اور منافع خوری میں اندھا ہو گیا ہے اور سرمایہ داروں کو مزدوروں کے جانی تحفظ کی کوئی پرواہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ کارخانوں میں آگ بجھانے کا نظام، وینٹی لیشن اور حفاظتی گیئر زکی کمی کی وجہ سے آئے روز کارخانوں میں آگ لگنے کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں اور اب تک فیکٹریوں میں سینکڑوں مزدور اس آگ میں جان بحق ہو چکے ہیں اور ان کے لواحقین روٹی روزگار کے لئے در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں۔

کپاس اور پاور لوم فیکٹریوں میں مزدور پھیپھڑوں کی بیماریوں، بہرے پن، اور کینسر جیسے موذی امراض کا شکار ہوتے ہیں۔لیکن ان کے علاج کا کوئی مناسب بندوبست نہیں ہے۔ سوشل سیکورٹی کے ہسپتال صرف شعبدہ بازی کی حد تک ہیں۔سوشل سیکورٹی ہسپتالوں کو مکمل فعال کرنے اور مزدوروں کی جملہ امراض کے مفت علاج کے بندوبست کی اشد ضرورت کو حکومت مسلسل نظر انداز کر رہی ہے۔ مزدوروں نے عالمی سطح پر جدوجہد اور قربانیوں کے بعد 8 گھنٹے کام کا قانون منظور کرایا لیکن پاکستان میں ان سے اب بھی 8 کی بجائے 12-16 گھنٹے کام لیا جاتا ہے، اور انکار کرنے پر نوکری سے برطرف کر دیا جاتا ہے۔اٹھارویں آئینی ترمیم کے ذریعے مزدوروں کے

مسائل حل کرنے کی بجائے مزید الجھائے گئے ہیں۔تھرڈ پارٹی کنٹریکٹ سسٹم کو معمول کا وطیرہ بنایا گیا ہے۔

پاکستان میں نت نئے مزدور دشمن قوانین کا نفاذ کیا جا رہا ہے۔ 2024 میں صوبائی لیبر کوڈز مزدوروں کے حقوق کے خلاف بنائے گئے ہیں۔جن میں یونین سازی اور اجتماعی سودے بازی کو محدود سے محدود کر دیا گیا ہے۔فیکٹری مالکان یونین سرگرمیوں کو کچلنے کے لیے مزدوروں کو نوکری سے نکالنے، جھوٹے مقدمات میں الجھانے جیسے حربے استعمال کرتے ہیں۔90 دن کے بعد مستقل ملازمت کے قانون کو نظر انداز کیا جاتا ہے، جس سے مزدوروں کو سماجی تحفظ سے محروم رکھا جاتا ہے۔ پاکستان میں 73 فیصد غیر منظم شعبے کے مزدوروں کو صحت بیمہ، پینشن، یا معذوری الاؤنسز تک رسائی حاصل نہیں ہے حاملہ خواتین کو ملازمت سے نکالنے کا سلسلہ جاری ہے اور ڈے کیئر سہولیات نہ ہونے کے برابر ہیں۔غربت کی وجہ سے بچوں سے جبری مشقت لی جاتی ہے، حالانکہ یہ قانوناً ممنوع ہے۔

پاکستان کی مرکزی دھارے کی سیاست

پاکستان بننے کے تقریباً آٹھ دہائیوں کے بعد بھی عام محنت کش ریاست کی نظروں میں رعایا ہے ابھی تک ہمارے عوام بالادست طبقوں اور ان کی ریاست کے شہری ہونے کے درجے پر نہیں پہنچ پائے آج مالیاتی سرمائے کی اجارہ داری کے دور میں ریاست کا رویہ اور بھی زیادہ خوفناک ہو چکا ہے تاہم نظام کی بربریت کے خلاف تحریکیں منظم ہوتی رہتی ہیں جن میں سے اکثریت کا مقصد عالمی سرمائے اور ریاست کی قبضہ گیری کو روکنا ہے۔کبھی زمین کبھی پانی کبھی چھت، کبھی روزگار اور کبھی زندگی کو بچانے کے لیے عوامی حلقے متحرک نظر آتے ہیں طبقاتی جدوجہد کے ساتھ ساتھ محکوم اقوام مسلسل حکمرانوں کی مرکزیت پسندی کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں جبکہ خواتین بھی اپنے حقوق کے حصول کے لئے سرگرم رہتی ہیں۔

پاکستان میں شاید سب سے زیادہ عوامی ردِعمل اسٹیبلشمنٹ اور بالخصوص خفیہ ایجنسیوں کی اس وحشیانہ پالیسی کے خلاف نظر آتا ہے جس کے تحت سیاسی وسماجی کارکنان کو اغوا کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی ان کی لاشیں بھی ملتی ہیں۔عدالتیں، میڈیا اور مین اسٹریم پارٹیاں مسنگ پرسنز کے حوالے سے شور ضرور کرتی ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی اسٹیبلشمنٹ کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے لیے

تیار نہیں ہے-اسٹبلشمنٹ پاکستان میں معاشی اور سیاسی طور پر بالا دست ہے جبکہ اس کی نظریاتی یلغار ستتر سالوں کے بعد بھی قائم و دائم ہے شروع دن سے ناکام خارجہ پالیسی کے ذریعے ہندوستان، افغانستان اور دیگر علاقائی ممالک کے ساتھ کشیدگی کو جان بوجھ کر ابھارا گیا اور آج کے دن تک کہا جاتا ہے کہ پاکستان نازک دور سے گزر رہا ہے۔ تعلیمی نظام اور میڈیا کے تحت مسلح افواج کو واحد ادارے کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور آج دن تک کہا جاتا ہے کہ یہ ادارہ اسلام اور پاکستان کے دشمنوں سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے ایسے میں اسٹبلشمنٹ نے قومی سلامتی کے نام پر معاشی وسائل پر اجارہ داری قائم کی ہوئی ہے اور بیرونی سازشوں سے ملک کو بچانے کے نام پر پاکستان کی کثیر القوامی حیثیت سے انکار کرتے ہوئے جمہوری سیاسی عمل کا ہر ممکن مرحلہ پر گلا گھونٹا جاتا ہے حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ جرنیلوں نے ہمیشہ ذاتی فائدے کے لیے سامراجی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس خوشنودی کے لیے انہیں ملکی مفاد کی صورت میں کچھ نہ کچھ قربان کرنا پڑا ہے۔

آج پاکستان میں جرنیلوں کو خود اقتدار پر قبضہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی کیونکہ وہ سیاستدانوں کو آگے کر کے فرسودہ نظام کو مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے چلاتے رہتے ہیں منتخب حکومتوں پر اگر کوئی اور ڈنڈا نہ بھی چل سکے تو اسٹبلشمنٹ کے پاس ایک ہتھیار ہمیشہ رہتا ہے- اسلام کے نام پر جو مذہبی عسکریت پسند گروہوں کو جرنیلوں نے 1970 کی دہائی سے پاکستان پر مسلط کر رکھا ہے وہ آج پورے خطے اور خود پاکستان کے عوام کے لیے عذاب بن گئے ہیں-دہشت گردی، فرقہ واریت اور مجموعی طور پر نفرت کی سیاست عروج پر پہنچ چکی ہے جس کی خوفناک مثالیں آئے دن کی دہشت گردی، مذہب کے نام پر دوسرے مذاہب اور فرقوں پر یلغار سے بھری پڑی ہیں۔

2018ء اور پھر 2024 کے انتخابات میں جو تماشہ لگایا گیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ انتظامی اختیارات و معمولات میں فوج اور عدلیہ کی کھلی مداخلت ہو رہی ہے اور میڈیا مکمل طور پر نظر نہ آنے والی طاقتوں کے کنٹرول میں ہے اور یہ تاثر عام ہے کہ پاکستان میں کبھی سول تو کبھی جوڈیشل مارشل لا کی کیفیت رہتی ہے پاکستان کی مین اسٹریم سیاسی جماعتیں جن میں مسلم لیگ نوز اور اس کے مختلف دھڑے، پیپلز پارٹی، ایم کیو ایم و تحریک انصاف وغیرہ اسٹبلشمنٹ کی

سیاست پر بالا دستی کے نظام کو تبدیل کرنے کی نہ خواہش اور نہ ہی صلاحیت رکھتی ہیں بلکہ سب اس سے استفادہ کرتے ہیں- اس طرح پاکستان کے مخصوص طرز کی کرپٹ گماشتہ سرمایہ داری، جاگیرداری و قبائیلی نظام کی باقیات کا سب سے بڑا محافظ اسٹبلشمنٹ کے سول اور عسکری دھڑے ہیں جبکہ مین اسٹریم کی سیاسی پارٹیاں بمع مذہبی جماعتیں ان کی بی ٹیم کے طور پر باریاں لیتی ہیں۔انتخابات میں پیسہ کا دخل اتنا ہو گیا ہے کہ بائیں بازو کی جماعتوں کے لیے سانس لینا مشکل ہے جبکہ دوسری طرف نام نہاد ترقی اور قومی سلامتی کے علاوہ متبادل نظریاتی نقطہ نظر کو متعارف کرنے کے لیے میڈیا گنجائش ہی نہیں چھوڑتا کیونکہ میڈیا کے اندر صحافت کم اور سیاست زیادہ داخل ہو چکی ہے-

2024 کے انتخابات کے بعد جس طرح سے حکومت بنوائی گئی اور انتخابات کے نام پر جو ڈھونگ رچایا گیا اس کی دنیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملے گی- اس ڈھونگ کے نتیجے میں پاکستان میں سیاسی و معاشی عدم استحکام فطری امر تھا اسی غیر جمہوری روایت کا نتیجہ ہے کہ پاکستان کے دو صوبوں خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں حالات بد سے بدتر ہو رہے ہیں اور مختلف ممالک کی پراکسیز بھی اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر سرگرم عمل ہیں-

عوام یہ بات ذہن نشین کر چکے ہیں کہ جس سیاسی جماعت کے سر پر اسٹبلشمنٹ ہاتھ رکھتی ہے وہ الیکشن جیت جاتی ہیں اور پھر تھوڑے عرصے کے اندر اسی حکمران جماعت کو اسٹبلشمنٹ کمزور لگنے لگتی ہے تاکہ قومی سلامتی“ کی ریاست و معیشت کو کسی بھی قسم کا خطرہ لاحق نہ ہو-عوام کے ساتھ یہ سانپ اور سیڑھی کا کھیل 1947 سے جاری ہے-

دائیں بازو کی مذہبی پارٹیاں اور گروہ

اب تک کی سیاست میں مذہبی گروہ اور پارٹیاں پریشر گروپ کے طور پر استعمال ہوتی چلی آرہی ہیں طبقاتی طور پر تمام مذہبی گروہ مڈل کلاس کی نمائندگی کرتے ہیں لیکن غیر مرئی اندرونی و بیرونی قوتوں سے انھیں وسائل بھی بہم پہنچائے جاتے ہیں۔عالمی سامراج نے شروع دن سے مذہبی پریشر گروپوں کو اپنی حکمت عملی میں خاص جگہ دی ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ مذہبی پارٹیوں کے عوام دشمن رجحانات کو مضبوط بنانے میں اسٹبلشمنٹ کا بنیادی کردار ہے پاکستان کے قیام کے وقت واضح طور پر بیان کیے گئے سیکولر نقطہ نظر کے برخلاف ہندوستان کی تمام مذہبی جماعتیں

پاکستان بننے کے خلاف تھیں۔ پاکستان بننے کے بعد ان کی خوب حوصلہ افزائی کی گئی اور امریکی سامراجی پالیسی کے تحت مذہب کو سماجی تبدیلی کی قوتوں کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا اور پاکستان کو سیکولر ریاست کے تصور سے ہٹا کر مذہبی ریاست بنانے کے راستے پر ڈال دیا گیا ہے اور اس کام کے لیے کبھی نظام مصطفیٰ اور کبھی ریاست مدینہ کے نعرے استعمال کیے جاتے ہیں مذہبی جماعتیں اب اتنی طاقتور بنا دی گئی ہیں کہ وہ سماجی زندگی کو مفلوج کر دیتی ہیں۔ یہ کبھی امریکہ کے ساتھ مل کر سوویت یونین کے خلاف جہاد کرتی ہیں اور بعد ازاں امریکہ کے خلاف نام نہاد جہاد سے یہ پارٹیاں اب اتنی طاقتور ہو گئی ہیں کہ انتہا پسندوں کی جانب سے قتل کیے جانے کے خوف کی بنیاد پر نظریاتی مسائل پر کوئی روشن خیال گفتگو کرنا محال ہو گیا ہے بین الاقوامی اور مقامی جہادی تنظیمیں، تشدد پسند گروپوں اور جرائم پیشہ گروہوں کے پھیلے ہوئے جال سے جڑ کر پر تشدد کارروائیوں میں شریک ہوتی ہیں یہ فرقہ پرست اور جرائم پیشہ گروہ مذہبی اقلیتوں کو نشانہ بنا رہے ہیں اور مختلف نوعیت کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس لوٹ میں سے جہادیوں کو وسائل فراہم کرتے ہیں امریکہ، انڈیا، افغانستان، سعودی عرب اور ایران وغیرہ اس علاقے میں دلچسپی رکھنے والی ریاستوں کی نظریاتی اور عالمی معاونت سے دائیں بازو کی مذہبی جماعتیں گروہ اور پریشر گروپ جنگجو طاقتوں کے اشارے پر آپس میں لڑائی بھی لڑتے ہیں اور لوگوں کے فرقہ وارانہ جذبات کو ہوا دیتے ہیں تاکہ وہ خود اپنے اپنے فرقوں کو مضبوط کر سکیں۔

سیاست میں فوج کا کردار

پاکستانی سیاست و معیشت کا تجزیہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک سیاست میں فوج کے کردار کو زیرِ بحث نہ لایا جائے۔ پاکستان آرمی کا طبقاتی اور ریاستی کردار ایک تاریخی پس منظر کا حامل ہے۔ تاریخی طور پر پاکستانی فوج رائل انڈین آرمی کا تسلسل ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے نتائج نے ساری دنیا کی سیاست اور معیشت کو تبدیل کر دیا۔ برطانیہ کا نوآبادیاتی نظام کمزور ہو گیا اور نوآبادیاں آزادی کی طرف سفر کرنے لگیں اسی جنگ کے نتیجے میں سوشلسٹ کیمپ کا قیام ایک کیفیتی تبدیلی تھی دوسری بڑی تبدیلی امریکہ کا سب سے بڑی سامراجی طاقت بن کر ابھرنا تھا۔ ان بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر جنوبی ایشیا اور بحیرہ عرب پر امریکی سامراج کی خاص نظر تھی امریکہ نے اقتصادی امداد اور فوجی معاہدوں کے ذریعہ ایشیا اور افریقہ کے نو آزاد ملکوں کو مطیع کیا یہ برطانوی

سامراج کے نوآبادیاتی نظام کے برعکس امریکی سامراجی تسلط کا جدید نوآبادیاتی نظام ہے

پاکستان کو برطانوی ورثے میں ملا ہوا نوآبادیاتی نظام جلد ہی جدید نوآبادیاتی نظام میں تبدیل کر دیا گیا۔ فوج اس تسلسل کا اہم جز تھی ہمارے حصے میں آنے والی فوج برطانوی نوآبادیاتی فوج کا ہی ایک حصہ تھی۔ تاریخی طور پر یہ فوج برطانوی نوآبادیات میں اٹھنے والی تحریک آزادی کو کچلنے والی فوج تھی اس کی بنیادی ساخت میں ایک خرابی یہ تھی کہ اس کی پرورش قومی انداز میں نہیں بلکہ سامراجی پالیسیوں کے تسلسل کے نتیجے میں ہوئی ہماری فوج کا عالمی سامراج سے کوئی تضاد نہیں تھا بلکہ یہ سامراج کی عالمی حکمت عملیوں کا حصہ رہی پاکستانی سیاست کا کوئی باب اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک فوج کا سیاسی معاشی کردار اور عالمی سامراج کے ساتھ اس کے تعلقات کو زیر بحث نہ لایا جائے۔ ایوب خان نے فوج کو سیاست پر حاوی کرنے اور امریکی سامراج کو پاکستان کی سیاست و معیشت کمزور کرنے کے لیے دونوں کام بیک وقت کیے ذوالفقار علی بھٹو کے امریکہ کے ساتھ اختلافات کسی سے پوشیدہ نہیں اور بعد میں آنے والی حکومتوں خاص کر نواز شریف اور بے نظیر بھٹو کی حکومتوں نے کچھ کوششیں کیں۔ لیکن فوج کی سیاست میں بالا دستی اور امریکہ کے ساتھ خصوصی مراسم کے باعث یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں کیونکہ پاکستانی فوج کی تعمیر میں امریکی امداد کا عنصر سب سے زیادہ ہے اگرچہ فوج کی تعمیر کی قیمت میں پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسی امریکی دفتر خارجہ کے پاس گروی رکھنا پڑی اور اس دفتر کی اطاعت ہم پر لازم ہو گئی خصوصی طور پر جب ملک میں فوجی حکومتیں مسلط رہیں۔

امریکی سامراج دو قسم کے حربے استعمال کرتا رہا جب فوج مکمل طور پر امریکی اسلحہ اور گولہ بارود پر انحصار کرتی ہو تو امریکہ کی ناراضگی فوج کو ناکارہ بنا سکتی ہے یعنی اگر بندوق ہے اور گولی نہیں ہے تو بندوق بیکار ہے لہٰذا پاکستان کے حکمرانوں کے لیے امریکہ کی خوشنودی لازمی ہوتی ہے۔ تاہم فوجی حکمران زندگی کے حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور ان سے چشم پوشی کرتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ سامراجی طاقتیں بھی قابل اعتماد دوست نہیں ہوتیں وہ پھر بھی ان پر تکیہ کرتے ہیں اور اپنے ملک میں اقتدار پر قبضہ کرنے سے نہ تو ان کو نمائندہ حیثیت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی قوم کا اعتماد --- اپنے ذاتی فائدے کے لیے سامراجی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس خوشنودی کے لیے انہیں ملکی مفاد کی صورت میں کچھ نہ کچھ قربان کرنا پڑتا ہے

پاکستانی فوج کو سیاست میں ستر سال کا تجربہ اور ملکہ حاصل ہے وہ خود حکومت میں نہ ہوں تو پھر ایک کمزور حکومت کو اقتدار دلواتے ہیں جس کا واحد سہارا فوج ہوتی ہے۔

فوج سول معاملات اور سیاست میں اتنی کھل کر بھی سامنے نہیں آئی جتنا 2018 اور اب کے 2024 کیا لیکشن میں جس بھونڈے طریقے سے پہلے نواز شریف حکومت کو دیوار سے لگایا گیا اور پی ٹی آئی کو اقتدار میں لانے کے لیے جو حربے استعمال کیے گئے اس پر سیاسی تاریخ ہمیشہ شرمندہ رہے گی۔ پھر پی ٹی آئی سے جب ہنی مون ختم ہو گیا تو وہی عمل دہرا کر وزیر اعظم جیل میں اور جیل وال سابق وزیر اعظم اقتدار میں لایا جاتا ہے-

فوج کا سیاست میں عمل دخل جیسے بھی ہو اس کی سیاسی و سامراجی مفادات کے ساتھ ساتھ ایک پہلو اور بھی ہے وہ خالصتاً معاشی پہلو ہے جس کو سامنے لائے بغیر فوج کا سیاست میں عمل دخل پر تجزیہ مکمل نہیں ہوتا۔ پاکستان میں فوج کا ادارہ صرف ایک ریاستی ادارہ ہی نہیں رہا بلکہ اس کی حیثیت اور کیفیت میں وقت کے ساتھ ساتھ بہت تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں اب پاکستان فوج کے پاکستانی ریاست میں وسیع معاشی مفادات بن چکے ہیں پچھلی کئی دہائیوں سے فوجی افسران کو بڑے پیمانے پر ریٹائرمنٹ پر زرعی زمینوں کی الاٹ منٹ جاری ہے اور آج ان کا بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں میں شمار ہوتا ہے لہذا فوجی اسٹیبلشمنٹ زرعی اصلاحات کی مخالف ہے دوسری طرف صنعتی اور تجارتی شعبوں میں فوج کا سرمایہ بڑھ رہا ہے اور مستحکم بھی ہو رہا ہے فوج کا ادارہ ویلفیئر فاؤنڈیشن اور کئی ایک کمپنیوں کے ذریعے کئی صنعتوں اور پروجیکٹس میں شامل ہیں جو ارب ہا ڈالر سے زائد ملکیت رکھتی ہیں جس میں اربوں ڈالر کی زمین اور اربوں ڈالر سے زائد پرائیویٹ اثاثے ہیں پاکستان ہیوی مینوفیکچرنگ کا 1 / 3 حصہ کے مطابق 35 فیصد کارپوریٹ کیپیٹل فوجی اداروں کا ہے دیگر اعداد و شمار کے مطابق پاکستانی فوج پچاس سے زیادہ پروجیکٹس یونٹس اور ہاؤسنگ کالونیوں کی مالک ہے جو فوجی فاؤنڈیشن، شاہین فاؤنڈیشن، آرمی ویلفیئر ٹرسٹ اور ڈی ایچ اے کے ماتحت چلائے جا رہے ہیں۔ یہی وہ شے ہے جو فوج کے اقتدار میں رہنے یا حکومتی نظم و نسق کو براہ راست اور بالواسطہ اختیار رکھنے کی خواہش کو تقویت پہنچاتی ہے اور اب زراعت میں کارپوریت کے نام پر لاکھوں ایکڑ اراضی نون لیگ، پیپلز پارٹی اور دیگر سیاسی جماعتوں کی حکومتوں نے چولستان اور دیگر علاقوں میں اس ادارے کو الاٹ کر دی ہے۔ اسی وجہ سے جمہوریت

کا فروغ یا آئین کی بالا دستی ممکن نہیں رہتی لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس فوجی سرمائے کو ریاستی نظم و نسق کے ماتحت لایا جائے اور فوج کی سیاست میں عمل دخل کی مادی بنیادوں کو ختم کرتے ہوئے فوج کا اقتدار میں شراکتی کردار ختم کیا جائے۔

پاکستانی معاشرہ کی سماجی وطبقاتی ساخت

پاکستان ایک جدید نو آبادیاتی ریاست ہے جو نو آبادیاتی نظام کا تسلسل ہے اور برطانوی سامراج سے امریکی سامراج کی سرپرستی میں پروان چڑھی ہے ہمارے معاشرے کی بڑی طبقاتی تقسیم کچھ اس طرح ہے:

1۔ جاگیردار۔ بڑے زمیندار اور قبائلی سردار

برطانوی سامراج نے مغلیہ عہد کے منصب دارانہ نیم جاگیردارانہ نظام کو مستقل اور مکمل جاگیرداری اور زمینداری میں تبدیل کیا موجودہ زوال پذیر جاگیرداری اور قبائلی باقیات سامراجی عہد کی ظالمانہ یادگار ہیں- جاگیرداری اور قبائلی باقیات اب بھی ملک کے اکثر علاقوں میں پوری آب و تاب سے برقرار ہیں بلکہ جدید سے جدید تر ہو رہا ہے جاگیردار، بڑے زمیندار اور قبائلی سردار ابھی تک اپنے انتخابی حلقوں میں بہت طاقتور اور بھرپور سماجی معاشی اور سیاسی اثر و رسوخ کے مالک اور انتخابی قوتوں اور ریاستی مشینری پر اثر انداز ہیں اور معاشی، معاشرتی اور سماجی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہیں۔ تاہم پچاس کی دہائی کے بعد یہ مسلسل تنزلی کا شکار ہیں اور اپنی سمٹتی ہوئی طاقت کے ساتھ سیاسی طور پر طاقت ور ریاستی اداروں کے تابع کی حیثیت اختیار کیے ہوئے ہیں تاہم جاگیرداری بڑی زمینداری اور قبائلی سرداری نظام کا ثقافتی شکنجہ ابھی تک بہت مضبوط ہے -پیر اور گدی نشین دیہی علاقوں میں بہت بڑے اثر و رسوخ کے مالک ہیں اور یہ سب سماجی ترقی اور ملکی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ زرعی شعبہ میں جدید مشین کے عمل دخل سے پیداواری رشتوں اور تعلقات میں تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود وسطی، جنوبی پنجاب، سندھ اور دیگر علاقوں میں پرانے بٹائی کے رشتے اور طریقے بھی موجود ہیں اور ملک کے مختلف علاقوں میں ان جاگیرداری باقیات کے ساتھ قبائلی رشتے اور تعلقات بھی موجود ہیں۔

2- بڑے سرمایہ دار

پاکستان بننے کے بعد 1950 تک اس طبقے کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ بڑی بڑی

صنعتیں تجارت کان کنی سروسز، جائیداد کے کاروبار حتیٰ کہ زراعت کے ساتھ بھی یہ طبقہ جڑا ہوا ہے۔اس طبقے نے 1950ء کے بعد ریاستی اور سامراجی سرپرستی کے تحت پلنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ ترقی کرتا چلا گیا اور سرمائے کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس طبقے کی سیاسی طاقت اور ریاستی اداروں میں اثر ورسوخ بھی بڑھتا چلا گیا پھر 1977ء کے بعد ضیا دور میں اور 1990 کے بعد بڑے سرمایہ داروں نے معاشی طور پر بہت حد تک غلبہ حاصل کرلیا۔ان بڑے سرمایہ دار گروہوں کو عالمی سامراجی اداروں ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کی سرپرستی بھی حاصل رہی ہے اور سامراج کی پالیسیوں کے نفاذ میں ان کا کلیدی کردار رہا ہے۔اس ضمن میں پاکستان کا بڑا سرمایہ دار اب ملک کے اندر صنعت لگانے کے بجائے سٹہ بازی یا ملک کے باہر سرمایہ کاری کو ترجیح دیتا ہے۔ نیولبرل گلوبل ایجنڈے کے ماتحت محنت کی تقسیم نے پاکستان کے تاجر کو اشیائے صرف بیچنے کا کام دیا ہے جبکہ مشین بنانے والے کارخانے اور بنیادی صنعتیں سامراجی ممالک نے اپنے پاس رکھی ہیں چھوٹے سرمایہ کار اور تاجر ملک کے اندر بدلتی ہوئی صورت حال اور غیر مستحکم علاقائی ماحول کے سبب بڑے سرمایہ دار اور کاروباری تاجر اور اس کا اتحادی درمیانہ طبقہ طویل المعیاد پالیسی کے ثمرات کے لیے اپنا سرمایہ اور وقت لگانے کے بجائے فوری کمانے کے موقع اور رجحان رکھتا ہے یہ طبقاتی قوتیں اندرونی طور پر فوج سے اور بیرونی سرپرست امریکہ سے مدد چاہتی ہیں تاکہ کاروبار محکم حکومت قائم رہے انہیں اس سے غرض نہیں ہے کہ حکومت جمہوری ہو یا آمریت پر مبنی ہو۔

3-بیوروکریٹک کیپٹلسٹ (افسرشاہی سرمایہ داری): پاکستانی معیشت میں فوجی افسر شاہی کے وسیع معاشی واقتصادی مفادات وابستہ ہوچکے ہیں اور اس افسر شاہی سرمائے کا حجم عام سرمائے کے قریب پہنچنے والا ہے لہٰذا ریاست میں سرمائے کے حجم کے برابر سیاسی حکومتی طاقت حاصل کرنا اس سرمائے کی ضرورت بن گئی ہے جس کے لیے فوج کا ادارہ سیاست میں ملوث ہے اور بار بار مداخلت کرتا چلا آرہا ہے اس ادارے کے مختلف شعبوں میں سرمایہ کاری کی وجہ سے ملک میں ایک نئے سرمائے کی شکل پیدا ہوتی جارہی ہے جسے افسر شاہی سرمایہ کہا جاتا ہے یہ سرمایہ دن بدن ملکی صنعت وتجارت کے تمام شعبوں میں نہ صرف بڑھ رہا ہے بلکہ مستحکم بھی ہورہا ہے اب کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس میں یہ سرمایہ موجود نہ ہو صنعت کے علاوہ ائیر ویز، تعمیرات، ٹرانسپورٹ گڈز اور پبلک ٹرانسپورٹ، پٹرول سروسز، بڑے بڑے زرعی فارمز، سڑکوں اور موٹر ویز بندرگاہوں کے ٹھیکے

سے لے کر اب تک مالیاتی سرمایہ میدان میں آچکا ہے فوجی افسر شاہی کا اقتدار کی ضرورتوں کے ساتھ عام سول سرمائے کا حصہ بن چکا ہے افسر شاہی سرمایہ فوری طور پر اپنا اتحادی پاکستان کے جاگیردار بڑے زمیندار اور قبائلی سرداروں کو سمجھتا ہے اور اقتدار میں چھوٹے حصہ دار کے طور پر ان کو ساتھ رکھتا ہے فی الحال اس سرمائے کا سامراجی سرمائے سے براہ راست کوئی ٹکراؤ نہیں ہے لہٰذا اندرون ملک جاگیردار بڑے زمیندار اور قبائلی سردار اور افسر شاہی سرمائے دار سامراج کے اتحادی ہیں جس کی نمایاں ترین مثال پنڈورا اور پاناما کی آف شور کمپنیاں اور بیرون ملک جائیدادیں ہیں۔ اور اب زراعت کے میدان میں بھی افسر شاہی سرمائے کی بڑی مداخلت کارپوریٹ فارمنگ کی شکل میں شروع ہوچکی ہے۔

4-چھوٹے سرمایہ دار، زمیندار، کسان، اور درمیانہ طبقہ: زمیندار کسان زرعی اور گھریلو صنعتوں کے مالکان یہ معاشرے کا جاندار اور متحرک بااثر طبقہ ہے جس نے اپنے شہری ہم منصب طبقے کے ساتھ مل کر پاکستانی ریاست میں کلیدی حیثیت اختیار کرلی ہے یہ طبقہ دیہی علاقوں میں جاگیرداروں، پیروں اور گدی نشینوں، ذات پات، برادری اور فرقہ واریت کے ساتھ ساتھ پاکستانی انتخابی سیاست کا بنیادی کردار بن چکا ہے اسے پچاس کی دہائی سے اقتدار کے ریاستی ڈھانچے میں اہم مقام حاصل ہے اس طبقے کے دیہی وشہری علاقوں کی ایک خاصیت یہ ہے کہ ریاستی ڈھانچے کو کنٹرول کرنے والی سول بیوروکریسی اور فوجی ادارے زیادہ تر انہیں پرتوں اور تنخواہ دار طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔شہری علاقے کی مڈل کلاس دیہی علاقوں کے ہم پلہ طبقات پر مشتمل ہے جس میں تنخواہ دار طبقہ چھوٹی صنعتوں کے شہری مالکان، تاجر، دوکاندار پیشہ ورانہ سروسز فراہم کرنے والے وکیل، انجینئر ڈاکٹر، مینجرز، وغیرہ شامل ہیں یہ معاشرے کی متحرک مڈل کلاس ہے جو انگریزی اور جدید تعلیم سے آراستہ ہے اور اپنے متحرک پن کی وجہ سے الیکٹرانک، پرنٹ اور سوشل میڈیا پر آواز بلند کرنے والا حصہ ہے یہ جلدی آگے بڑھنے اور خواہشات رکھنے والے بیتاب ہیں جو سیاست میں دلچسپی کا اظہار بھی کرتا ہے اور کم تعلیم یافتہ دیہی درمیانہ طبقات کے مقابلے میں ریاستی اقتدار حاصل کرنے کی خواہش بھی رکھتا ہے۔

5-محنت کش طبقات

پاکستان کی ساٹھ فیصد کے قریب آبادی دیہاتوں پر مشتمل ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ

پاکستان میں دیہی علاقے حکومت بنانے الیکشن کے مہرے اور شہری علاقے حکومت گرانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

دیہی علاقوں کے محنت کش

دیہی علاقوں کے زمین مالکان، کسان، کھیت مزدور، دیہی دستکار اور نچلی ذاتوں کے لوگوں کو محنت کش طبقات میں شامل کیا جاتا ہے دیہی سماج کی بہت بڑی تعداد چھوٹے پیمانے پر اور دیہاڑی دار مزدور کے طور پر گزارا کرنے پر مجبور ہے یہ طبقات تعداد میں سب سے زیادہ لیکن سیاسی شعور اور تنظیم سے بے بہرہ ہیں پاکستان میں چند علاقوں کی کسان تحریکوں کے علاوہ یہ بہت کم ہی سیاسی سرگرمی وتحریک کا حصہ بنتے ہیں تاہم ملک میں عام انتخابات کے موقع پر یہ طبقات علاقائی با اثر طبقات کے سیاسی مجاہدوں کے طور پر خاصے پر جوش ہوتے ہیں۔ان طبقات کی تنظیم ،فکری صلاحیت اور سیاسی تربیت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

شہری علاقوں کے محنت کش

شہری علاقوں کے محنت کش صنعتی مزدوروں، پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر میں کام کرنے والے مزدوروں اور دفتروں اور بازاروں میں کام کرنے والے ورکرز، کاریگروں اور وائٹ کالرز پر مشتمل ہیں دیہی علاقوں میں بیروزگاری اور شہروں میں قدرے روزگار کے مواقع کے پیش نظر دیہی علاقوں سے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد شہر کی طرف ہجرت کر کے اس طبقے کی تعداد میں اضافہ کر رہی ہے اور شہروں کا حجم بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ یہ زیادہ متحرک اور سیاسی طو پر فعال ہیں اور بڑی سیاسی پارٹیوں اور مذہبی جماعتوں میں متحرک ہیں اور جلسے جلوسوں میں بھی متحرک ہوتے ہیں ان میں قابل ذکر طبقاتی شعور بھی ہے جس کے نتیجے میں 60 اور 70 کی دہائی میں ٹریڈ یونین اور شہری مڈل کلاس طلبہ و وکیلوں کی تنظیموں نے متحرک کردار ادا کیا ہے۔

سماجی استحصال سے عورت کی آزادی کا سوال

پاکستانی سماج میں خواتین اور خواجہ سراؤں سے زیادہ جبر واستحصال کا شکار کوئی اور سماجی گروہ نہیں ہے کاغذ اور قانون کی حد تک صنفی امتیاز بہت حد تک کم ہوا ہے مگر زمینی حقائق کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں ویسے تو ساری دنیا میں پدرسری نظام حاوی ہے لیکن پاکستان عورتوں اور خواجہ سراؤں کے لیے زیادہ ہی خطرناک ملک سمجھا جاتا ہے آئے روز زبردستی تشدد اور اموات کے واقعات کے

بارے میں خبریں سننے کو ملتی ہیں، وراثت اور شہادت میں عورت کی حیثیت مرد کی آدھی ہے محنت مزدوری کرنے والی عورتیں مردوں کے مقابلے میں کماتی بھی کم ہیں اور بدترین حالات میں کام کرتی ہیں

جبکہ سماج کا ثقافتی ڈھانچہ مکمل طور پر مرد کی بالادستی پر مشتمل ہے اور عورت اپنی مرضی سے پیار تو دور کی بات وہ شادی بھی نہیں کر سکتی ہے اور نہ سڑک پر خاموشی سے بغیر سیٹیاں اور طعنے سنے چل سکتی ہے۔عورتوں کے برابر کے حقوق کے حصول اور ترقی کی تحریک کا ایک حصہ قانون سازی ، برابر مواقع، سماجی رسوم و رواج ،شخصی اور انفرادی آزادی اور تشدد سے بچاؤ کی وکالت کرتا ہے وہ یہ سمجھتی ہیں کہ عورت کی ماتحت حیثیت کا تعلق سماجی روایت، رواج اور قانون سے ہے- یہ جاگیرداری، وقبائلی وسرمایہ داری نظام اور مجموعی طور پر طبقاتی و پدرسری نظام کو عورت کی غلامی یا پسماندگی کا سبب نہیں سمجھتا نہ ہی اس کے خلاف جدوجہد کرتا ہے تحریک کے اس حصے کو لبرل فیمنزم کہتے ہیں-مگر خواتین کی تحریک کا دوسرا حصہ جو سوشلسٹ تحریک پر مبنی ہے یہ ایک ہمہ گیر مارکسی لیننی نظریہ ہے جو طبقاتی سماج ،سرمائے اور پدرشاہی نظام کے درمیان مضبوط گٹھ جوڑ کو عورت پر جبر واستحصال کی بنیاد مانتا ہے۔جس نظام کے تحت خواتین اور محنت کش طبقے کے مرد کو بھی شکایتیں ہیں۔ یہ ان تمام معاشی و سماجی ڈھانچوں میں بنیادی تبدیلی کا حامی ہے جس کے بغیر عورت اس دہرے اور تہرے استحصال سے آزاد نہیں ہوسکتی اس تحریک (طبقاتی وسوشلسٹ تحریک) کے مد نظر بنیادی سماجی تبدیلی اور سوشلزم کی تعمیر میں عورتوں کا کردار بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا مردوں کا اور دونوں کی متحدہ جدوجہد کے بغیر نہ سوشلزم قائم ہوسکتا ہے اور نہ ہی عورت آزاد ہوسکتی ہے۔عوامی ورکرز پارٹی خواتین کی اسی طبقاتی وسوشلسٹ تحریک کی داعی ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ سرمایہ داری نظام کے اندر رہتے ہوئے عورت کا گھر سے باہر کردار بڑھتا چلا گیا ہے۔آج پاکستان کی لیبر فورس میں عورتوں کی شمولیت تیزی سے بڑھ رہی ہے عورتیں زراعت سے لے کر خدمات کے شعبے میں مردوں سے زیادہ تعداد میں نظر آ رہی ہیں۔تعلیمی اداروں میں عورتیں زیادہ نمایاں ہو رہی ہیں اور مجموعی طور پر ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور دیگر ذرائع کی وجہ سے عورتیں سیاسی فیلڈ پر بھی بہت اثرانداز ہو رہی ہیں یقیناً اس بڑھتے ہوئے رول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صنفی برابری قائم ہو چکی ہے بلکہ جہاں عورتیں لیبر فورس میں داخل ہو رہی ہیں وہاں اسے "غریبی کی نسوانیت" کی بات ہوسکتی ہے یا در

ہے کہ بیشتر کام کرنے والی عورتوں کو باضابطہ لیبر فورس کا حصہ بھی نہیں سمجھا جاتا مثال کے طور پر اشرافیہ کی کوٹھیوں میں کام کرنے والی عورتیں۔۔۔۔چنانچہ ان کے ساتھ ہر طرح کا سلوک ہوتا ہے۔کبھی تنخواہ نہیں ملتی تو کبھی ان کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

عورتوں کو بنیادی طور پر ایک کمتر انسان کے طور پر دیکھا اور اسی حساب سے سلوک کیا جاتا ہے۔مجموعی طور پر ان کو زیر دست رکھا جاتا ہے۔لیکن یہ سب کچھ اب بہت سی سطحوں پر چیلنج ہو رہا ہے۔لڑکیاں والدین سے لڑ کر اسکول پڑھنے جاتی ہیں، اور بعد میں روزگار کی تلاش میں بھی نکلتی ہیں۔وہ اپنی مرضی کی شادیوں کے لیے لڑائی لڑتی ہیں اور ہر طرح کی ہراسگی کا بہادری سے سامنا کرتی ہیں۔عوامی ورکرز پارٹی ان تمام کوششوں کو عورت کی آزادی کی طویل لڑائی کا حصہ سمجھتی ہے۔ ہم خاص طور پر ان نوجوان عورتوں کو اپنی سیاست کا بنیادی ستون سمجھتے ہیں جو کہ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے گھروں کے اندر بند رہ کر بھی ترقی پسند تحریکوں کے ساتھ جڑے رہنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ہم جہاں پاکستان کی نوجوان نسل کو مجموعی طور پر اپنی سیاست کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں وہاں خاص توجہ نوجوان لڑکیوں اور خواتین پر دیں گے جو کہ فرسودہ رسوم و روایات کے ساتھ ساتھ سرمائے کے تسلط اور رجعتی قوتوں کے سامنے بند باندھ کر کھڑی ہوتی جا رہی ہیں۔

قومی سوال اور قوموں کی برابری کے حقوق

ویسے تو جدید دور کی تمام ریاستیں ایک مخصوص تاریخی بیانیے کے زور پر عوام کے وسیع تر حلقے کو ایک قوم کا حصہ ہونے کی تربیت کرتی چلی آ رہی ہیں مگر ریاست پاکستان میں ریاستی قوم پرستی ظلم و جبر کی لمبی داستان ہے ہمارے ہاں حکمرانوں اور خاص طور پر فوجی اسٹیبلشمنٹ نے شروع دن سے پاکستان کی کثیر القومی حیثیت سے انکار کیا ہے۔جس کے نتیجے میں ان گنت تضادات حتیٰ کہ تصادم کی صورتِ حال کو بار بار جنم دیا۔چنانچہ ملک کے قیام کی سات دہائیوں کے بعد بھی ہم کون ہیں؟'' کا جواب نہیں مل پایا ایک طرف یہ تصور ہیکہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہماری واحد زبان اردو ہے تو دوسری طرف پشتون، بلوچ، سندھی، پنجابی، سرائیکی، کشمیری گلگتی، بلتی مہاجر وغیرہ ہونے کا احساس شدت سے پایا جاتا ہے۔اس ضمن میں ریاست کی مرکزیت پسند پالیسیوں کے خلاف بے شمار ابھار بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔بہر حال بلوچوں، پشتونوں اور سندھیوں کی قومی تحریکیں زیادہ نمایاں رہیں اور مشرف آمریت کے بعد سے لیکر اب تک تو سیاسی کارکنان، شعراء اور ادیبوں اور

دیگر رائے عامہ ترتیب دینے والے افراد کی سرکار کے ہاتھوں اغوا کاریوں نے قومی تضاد کو زیادہ ہی سنگین بنا دیا ہے۔ یاد رہے کہ پاکستان کی تاریخ میں یہ تضاد محض شناخت زبان وغیرہ کی حد تک نہیں بلکہ اقتدار میں شراکت اور وسائل کی تقسیم کا بھی رہا ہے۔مشرقی پاکستان کی آخر کار علیحدگی کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ اسٹیبلشمنٹ اور مغربی پاکستان کی مرکزیت پسند سیاسی جماعتوں نے مشرقی بنگال کی سیاسی قوتوں کو اقتدار میں حصہ نہ دیا اور نہ ہی وسائل کو منصفانہ طریقہ سے ان کے ساتھ شیئر کیا۔

عوامی ورکرز پارٹی کا یقین ہے کہ پاکستان کی تمام قومیں ایک ساتھ بہتر طریقے سے اور رضا کارانہ طور پر وفاقی نظام چلا سکتی ہیں اور یہ اس وقت ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ تمام اکائیوں میں قبائلی اور جاگیرداری باقیات اور سرمایہ دارانہ حکمران طبقات کے اقتدار کا خاتمہ ہو اور اس کے لیے تمام قومی اکائیوں کے محنت کش اور محنت کار عوام قومی سوال کو طبقاتی جدوجہد کا حصہ بنا لیں۔

تاہم یہ صرف الفاظ کا کھیل نہیں ہے اور نہ ہی محکوم قوموں اور خطوں کو ترقی کے نام پر خریدنے سے ہوگا۔ یہ طے کرنا ہوگا کہ پاکستان ایک رضا کارانہ وفاق ہے جس میں آبادی اور طاقت کے زور پر نہیں بلکہ برابری اور ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ریاست کی ترجیحات طے کی جائیں۔افغانستان سے امریکی افواج کے انخلا اور طالبان کا ایک بار پھر افغانستان پر مسلط ہونے کے بعد پشتون اور بلوچ قومی سوال پھر سے شدت اختیار کر گیا اور اس ضمن میں عالمی اور علاقائی ممالک کے درمیان ''گریٹ گیم'' کے پیش نظر پاکستان کے اندر قومی تحریکوں کی نئی صف بندیوں کا بھی امکان ہے۔اس تناظر میں عوامی ورکرز پارٹی نہ صرف قوموں کے حقِ خود ارادیت، بلکہ غیر جانبدارانہ خارجہ پالیسی اور سامراج مخالفت کے اصولوں پر یقین رکھتی ہے اور انہی اصولوں کے تحت قومی تحریکوں کے ان حصوں کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط بنائے گی جو کہ ترقی پسند سیاست پر یقین رکھتے ہیں۔پاکستانی ریاست کے ادارے اور قوانین کا نو آبادیاتی پس منظر بھی زیر بحث لانا پڑے گا۔دراصل پاکستان میں انگریز راج کی تاریخ اور جدید نو آبادیاتی ریاست کی ہیئت کو بھی تاریخ کے صفحوں سے مٹایا گیا ہے۔سرکاری کتابوں میں ہماری قومی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا گیا ہے کہ ریاست کو جوابدہ ہونے سے بچایا جائے۔چنانچہ یہ مقننہ، پولیس، عدلیہ اور دیگر ریاستی ادارے نہ صرف تمام محنت کشوں کے لیے جبر کی مشین اور عذاب کا باعث ہیں۔بلکہ محکوم و پسماندہ

قوموں کے عوام کے ساتھ ریاست کا رویہ زیادہ خوفناک رہا ہے۔لہٰذا تمام قوموں کے محنت کشوں اور پسماندہ قوموں کی جدوجہد کو جوڑنا ہمارا فرض ہے۔اسی بنیاد پر حقیقی سوشلسٹ وفاق کا قیام عوامی ورکرز پارٹی کی سیاسی حکمت عملی کا بہت اہم ستون ہے۔

سیکولرازم کی غلط تشریح

پاکستان ایک کثیر المذاہب ملک ہے لیکن اس ملک میں جس طرح مذہب کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا شاید ہی کسی ملک میں ہوا ہوگا۔اسٹیبلشمنٹ نے یہ سب کچھ ملک کے اندر اور باہر اپنے مفادات کے حصول کی خاطر کیا لیکن اس کی قیمت عوام ہی نے ادا کی مذہب کا سیاسی استعمال ''وسیع تر قومی مفاد'' کے نام پر ہوا مگر مفاد ان کا ہی تھا اور ہے جو کہ ہتھیار بیچتے ہیں اور نفرت کی ترویج کرتے ہیں اور ثقافت کو ایک خاص رنگ میں ڈھالتے ہیں جس سے عورتوں، مسیحوں، ہندوؤں اور دیگر افراد کو بدترین ظلم وجبر کا نشانہ بنایا جاتا ہے نہ صرف مظلوم عوام کے خلاف ایسا ہوا بلکہ مذہب کو شاید سب سے زیادہ استعمال ترقی پسند حلقوں کے خلاف کیا گیا ہے جو کہ حکمرانی کے فرسودہ اور عوام دشمن نظام کو بے نقاب کر کے حقیقی عوام دوستی کی جدوجہد کرتے آرہے ہیں۔

جہاں ترقی پسندوں اور بائیں بازو پر غداری کا الزام لگایا گیا وہاں اس سے بھی زیادہ خطرناک اسلام دشمن ہونے کا لیبل بھی لگتا رہا یہ سب کچھ ریاست کے قیام کے شروع سے ہوتا رہا مگر ضیا آمریت کے دوران معاملات زیادہ ہی سنگین ہوگئے نام نہاد کفر کے خلاف نام نہاد مسلح جہاد کرنے کی باقاعدہ پالیسی 1980 کی دہائی میں عروج پر پہنچی اور ایک پوری نوجوان نسل کو تنگ نظر بنا دیا گیا ویسے تو اس پالیسی کا مقصد افغانستان اور ہندوستان میں مخصوص مفادات کا حاصل کرنا تھا مگر اس کا بیرونی دنیا سے زیادہ اثر پاکستان کے سماج پر پڑا۔

آج پاکستان میں نوجوانوں میں بہت زیادہ گھٹن ہے مثال خان جیسے طالب علم کا اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں قتل اس کا صرف ایک ثبوت ہے عورتوں کو جس طرح عزت اور غیرت کی علامت بنایا اور پھر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے یہ بھی اس گھٹن کی ایک مثال ہے پھر ہماری تاریخ اور قومی ہیروز بھی ایک خاص طرح کی جنگ پرستی کے گرد ترتیب دیے گئے ہیں ویسے تو 9/11 کے بعد دہشت گردی کے حوالے سے ایک نیا بیانیہ سامنے آیا ہے مجموعی طور پر سماج کے اندر تنگ نظری کی فیکٹریاں اسی طرح قائم ہیں جیسا کہ اس سے پہلے تھیں تعلیمی نصاب اور میڈیا کے تحت نفرت کی

ترویج ہوتی ہے تو کئی سیاسی حلقے بھی مذہب کو ہتھیار بنائے ہوئے اپنے آپ کو محبِّ وطن ثابت کرتے ہیں ہمیں سامراج یا دنیا کے دباؤ کے تحت نہیں بلکہ اپنے سماج میں امن اور رواداری کو فروغ دینے کے لیے مذہب کے سیاسی استعمال کی ٹھوس حکمت عملی کے تحت روک تھام کرنا ہوگی وگرنہ نفرت کی آگ ہمیں لے ڈوبے گی اور خاص طور پر ہماری نوجوان نسل کی اکثریت کو بند گلی کی طرف دھکیلا جائے گا کیونکہ ان کی ذات اور مستقبل کی خواہشات نہ پوری ہونے پر انتہا پسندی کے جال میں مزید جکڑنے کا بہت زیادہ خطرہ ہے

افسوس کہ آج بھی اسٹیبلشمنٹ نے تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا اور جہاں پہلے ایک فرقہ کو سیاسی مقصد کے لیے آگے کیا جاتا تھا آج بظاہر امن پسند قوتوں کو بھی مسلح کیا جارہا ہے ایسے میں نہ صرف تنگ نظری سماج میں پھیل رہی ہے بلکہ خطرناک ترین فرقہ وارانہ فضا کو بھی جنم دیا جارہا ہے جس انداز میں اب ایک نعرے کی بنیاد پر کسی بھی معصوم انسان پر اسلام دشمنی کا فتوی لگ سکتا ہے یہ سلسلہ ماضی کے مقابلے میں زیادہ ہی سنگین ہوگیا عوامی ورکرز پارٹی بہت کھل کر سمجھتی ہے کہ مذہب ہر فرد کا ایک ذاتی معاملہ ہے یعنی بندے اور خدا کے درمیان کا معاملہ ہے اور ہر پاکستانی شہری کی مذہبی آزادی کی ضمانت دینا ریاست کی ذمہ داری ہے ہر مسجد، مندر، گرجا اور دیگر عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کرنا اور کسی بھی فرد کو زبردستی مذہب یا فرقہ مسلط کرنے پر پابندی، مسلح افراد کی روک تھام کرنا یہ سب کچھ ریاست کی ذمے داری ہے۔

پاکستانی ہونے کا مطلب یہ قطعی طور پر نہیں ہے کہ ہم سب ایک ہی عقیدے کو مانتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مختلف ہوتے ہوئے سب کی مذہبی آزادی ملک کے اندر اور باہر احترام کرتے ہیں یہی تمام مذاہب کی تربیت ہے اور نوجوان نسل کو اصلاح شدہ نصاب اور ذمہ دار میڈیا کے ذریعے تربیت دینے کی عوامی ورکرز پارٹی حامی ہے۔

ماضی میں پی ٹی آئی کی ہائبرڈ حکومت اور اب شہباز، زرداری حکومت کو متعارف کرایا گیا سنگل قومی نصاب مذہبی ،قومی اور دیگر تضادات میں شدت کا باعث بنے گا ایس این سی کے ذریعے وفاقی حکومت نے صوبوں کے آئینی دائرہ کار سے تجاوز کیا ہے اٹھارویں آئینی ترمیم کے ذریعے نصاب سازی کا اختیار صوبوں کو منتقل کر دیا گیا تھا ایک قوم ایک نصاب کا نعرہ نسلی قومی شناختوں کو مسترد کرنے اور ملک پر یک تنگی نظریہ اور شناخت مسلط کرنے کی کوشش ہے اور مختلف

قومیتوں اور نسلی گروہوں کے درمیان مزید تفرقہ پیدا کرسکتا ہے یہ پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے مخصوص حق کے تحفظ کے آئین کے آرٹیکل (1) 22 کے تحت بنیادی حقوق کی بھی خلاف ورزی ہے اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی نصابی کتاب میں کوئی سبق جو تمام مذاہب کے طلبہ کے لیے لازمی ہو کسی بھی مذہب کے لیے مخصوص مواد پر مشتمل نہیں ہوسکتا۔

ہم سیکولر بنیادوں پر یکساں تعلیمی نظام تشکیل دینے کے حامی ہیں بصورت دیگر پاکستان اور ہمارے ارد گرد نہ کبھی امن قائم ہوسکتا ہے اور نہ ہی ہم معاشرتی ترقی کی منزل پاسکتے ہیں۔ سیکولرازم کا مطلب ہے کسی بھی معاشرے میں معاشی، سماجی وسیاسی ترقی دنیاویت پسندی کی بنیاد پر ہوتی ہے نہ کہ مذہب کی بنیاد پر، مذہب تو کسی بھی ملک میں بسنے والے عوام کے مختلف عقائد کا نام ہے اور ریاست کا فرض ہے کہ نہ صرف ہر عقیدے اور مذہب کا احترام کرے بلکہ برابر تحفظ فراہم کرے۔

ماحولیات کا مسئلہ اور پاکستان

آج اگر دنیا بھر کے انسان دوست اور ترقی پسند حلقوں میں ایک نکتہ پر اتفاق ہے تو وہ یہ ہے کہ دنیا کی بقا کے لیے بہت جلد اور منظم انداز میں عالمی سطح پر ایکشن لینا ناگزیر ہے۔ یہ نہ صرف انسان کی آنے والی نسلوں بلکہ مجموعی طور پر ہمارے سیارے پر زندگی کی بقا کا سوال ہے۔ ساری انسانی تہذیب کے تصور پر اب نظرثانی کی جارہی ہے صنعتی سرمایہ دارانہ دور کے بیشتر حصے کے لیے یہ تصور عام تھا کہ انسان نے قدرت پر اپنے نظام کو حاوی کردیا ہے اور وہ اس طاقت کے بل پر کچھ بھی کرسکتا ہے مگر اب یہ واضح ہوگیا ہے کہ اگر مجازی حقیقت کے شوقین جو بھی کہیں۔" کلائے میٹ ایکشن کے گرد بہت سی نئی سیاسی کوششیں ہورہی ہیں اور ان کوششوں میں نوجوانوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے کیونکہ آخر کار انسان اور قدرت کے درمیان توازن کو ایک بار پھر قائم کرنے کا بوجھ محنت کشوں اور نوجوانوں کی تحریکوں پر ہی آئے گا۔

یاد رہے کہ یہ سارا معاملہ ترقی کے تصور کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ایک طرف ہم ایک ایسے سوشلسٹ نظام کے قیام کی بات کرتے رہے ہیں اور آج بھی کرتے ہیں جس کے تحت تمام انسانوں کی بنیادی مادی ضروریات پوری ہوسکیں خوراک، کپڑا، گرم موسم میں بجلی سرد موسم میں گیس کے ہیٹر پھر اس کے بعد تفریح کیمواقع مرد اور عورت کے درمیان برابری، تمام قوموں کی حقیقی آزادی وغیرہ لیکن دوسری طرف ہمیں اب اس بات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دنیا کے اندر موجود قدرتی

وسائل کافی نہیں ہیں کہ ہر انسان کا معیار زندگی ایسا ہو جیسا کہ ترقی یافتہ ممالک میں عام گھرانے کا ہے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم روڈ عمارتیں گیس اور بجلی کی سپلائی اسی طرح بڑھاتے چلے جائیں جیسا کہ اب تک ہوتا آیا ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ سب کو بھوکا، ننگا ٹھنڈ میں کانپنے اور گرمی میں خوار ہونے کے سوا کوئی حل نہیں ہے بلکہ ہمیں اس بات کو دیکھنا ہوگا کہ روزمرہ کی زندگی میں سرمایہ کی منافع خوری کے تحت ترقی کون سی ہے اور حقیقی انسانی ضرورت والی ترقی کے تقاضے کیا ہیں۔ پلاسٹک کا استعمال اس کی بہترین مثال ہے۔ ہم سب بے پناہ پلاسٹک استعمال کرتے ہیں اور پلاسٹک بنانے والی کمپنیاں بھی نہیں چاہیں گی کہ ہم پلاسٹک استعمال کرنا چھوڑ دیں مگر پلاسٹک کے بغیر بھی ہماری ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں۔ سارے شعبوں میں نہ سہی لیکن بہت سے انسانی زندگی کے شعبوں میں تیل گیس اور دیگر وسائل کا معاملہ بھی ایسا ہی کیا ہم سورج یا ہوا سے توانائی پیدا نہیں کرسکتے جس سے ہمارا تیل اور گیس پر انحصار ختم ہوسکتا ہے۔ ترقی کا مطلب بے بہا کھپت نہیں ہے اس کا مطلب ایک صحت مند سماج کا قیام ہے جس میں انسانوں کی بنیادی ضروریات پوری ہوں اور ساتھ ہی قدرت کے نظام کو تحفظ فراہم کیا جائے جس سے ہم سب نے جنم لیا ہے اور سرمایہ داری نظام کے اندر ہماری بہت سی غیر ضروری ضروریات بنائی جاتی ہیں جو کہ محض بیگانگی، ایک دوسرے کے ساتھ مقابلے اور نفسیاتی مسائل کی طرف ہمیں دھکیلتی ہیں ایسی ترقی حولیاتی تباہی کا باعث بنتی ہے اس دور میں باشعور عوام دوست سیاست کا مطلب یہی ہے کہ ہم ایک نئے معاشی نظام کے ساتھ نیا انسان بنانے کی طرف جائیں اور یہی وہ طویل عمل ہے جس سے ہم آنے والی نسلوں کو اس دنیا میں ترقی کرنے کی ضمانت دے سکتے ہیں۔

پاکستان پر ماحولیاتی اور موسمیاتی بحران کے اثرات

غیر متوقع موسمی تبدیلیوں کے پاکستان پر ماحولیاتی اور موسمیاتی بحران کے اثرات انتہائی گہرے اور وسیع ہیں، جو ملک کی جغرافیائی حساسیت، معاشی انحصار زراعت، اور محدود وسائل کی وجہ سے مزید شدت اختیار کر گئے ہیں۔ 2022 کے سیلاب کی وجہ سے ملک کا 33% حصہ زیرِ آب آیا تھا- جس میں 1,700 اموات، 2 ملین گھروں کی تباہی، اور 30$ ارب ڈالر سے زائد کا معاشی نقصان ہوا۔ یہ سیلاب مون سون کی غیر معمولی بارشوں اور گلیشیئرز کے تیزی سے

پگھلنے کا نتیجہ تھا۔ دوسری طرف بلوچستان اور سندھ کے علاقوں میں بارشوں میں کمی اور زیرِ زمین پانی کے ذخائر ختم ہونے سے کسانوں اور مویشیوں کی زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ تیسری طرف گلیشیئرز کا تیزی سے پگھلاؤ شروع ہو چکا ہے۔ پاکستان میں 7,000 سے زائد گلیشیئرز ہیں، جو دنیا کے قطبی علاقوں کے بعد سب سے بڑا ذخیرہ ہیں۔ موسمیاتی تبدیلی کی وجہ سے یہ گلیشیئرز تیزی سے پگھل رہے ہیں، جس سے دریائے سندھ کے نظام پر دباؤ بڑھ رہا ہے۔ گلیشیئر جھیلوں کے پھٹنے شمالی علاقوں میں آبادیوں اور بنیادی ڈھانچے کو تباہ کر رہا ہے۔ ماحولیات اور موسمی بحرانوں کے سبب گلگت بلتستان میں بہت زیادہ مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور وہاں ڈیموں کی تعمیر میں مقامی آبادی کو نہ تو اعتماد میں لیا گیا ہے اور نہ ہی بھاشا اور دیامیر زمین فراہم کی گئی ہیں جس سے گلگت بلتستان کے عوام میں پائی جانے والی بے چینی اور احتجاج فطری ہے۔

زراعت کو سنگین خطرات

زراعت ہماری جی ڈی پی کا 24% اور روزگار کا 40% ہے، لیکن موسمیاتی تبدیلی نے فصلوں کے چکر کو غیر مستحکم کر دیا ہے۔

گندم، کپاس، اور چاول کی پیداوار میں کمی، کیڑوں کے حملوں میں اضافہ، اور پانی کی کمی نے کسانوں کو قرضوں اور غربت کی طرف دھکیل دیا ہے۔ کوہ ہمالیہ سے لیکر ساحل سمندر تک ہر چیز موسمی تبدیلیوں کی زد میں ہے سمندری سطح میں سالانہ 3.7 ملی میٹر کا اضافہ سندھ اور بلوچستان کے ساحلی علاقوں کو نگل رہا ہے۔ کراچی جیسے شہر سمندری کٹاؤ اور زمینی کٹاؤ کی وجہ سے خطرے میں ہیں، جبکہ زیرِ زمین پانی کے ذخائر نمکین ہو رہے ہیں۔

صحت پر مہلک اثرات: گرمی کی لہروں سے 2015 میں کراچی میں 1,200 اموات ہوئیں تھیں، جو درجہ حرارت میں اضافے کا شاخسانہ تھیں۔ ڈینگی، ملیریا، اور ہیضہ جیسی بیماریوں میں اضافہ ہوا ہے۔ فضائی آلودگیلاہور اور کراچی دنیا کے آلودہ ترین شہروں میں شامل ہیں، جہاں سموگ نے سانس اور دل کے امراض کو جنم دیا ہے۔

معاشی نقصانات اور غربت: موسمیاتی آفات پاکستان کو 4$ ارب سالانہ کا نقصان پہنچاتی ہیں دیہی علاقوں میں غربت اور ہجرت بڑھ رہی ہے، جبکہ شہروں میں آبادی کا دباؤ پہلے سے کمزور بنیادی ڈھانچے کو تباہ کر رہا ہے۔ جنگلات کی کٹائی سے ماحولیاتی انہدام ہو رہا ہے

اور پاکستان میں صرف 5% جنگلات باقی رہ گئے ہیں آبی آلودگی صنعتی فضلے اور کچرے نے دریاؤں کو زہریلا بنا دیا ہے، جس سے مچھلیوں اور آبی حیات کی نسلیں ختم ہو رہی ہیں۔ سندھ میں ساحلِ سمندر پر تمر کے جنگلات تباہ ہو چکے ہیں۔ چینی سرمایہ کاری سے تھر سے نکالا جانے والا کوئلہ ایک طرف ماحولیاتی آلودگی پھیلا رہا ہے تو دوسری طرف ہزاروں سالوں سے آباد لوگوں کو بغیر کسی معاوضے اور متبادل مہیا کرنے کے، بے دخل کیا جا رہا ہے۔

پاکستان ماحولیاتی بحران کا " گراؤنڈ زیرو" بن چکا ہے، جہاں عالمی حدت میں اضافے کے باوجود وسائل کی کمی نے اسے انتہائی کمزور بنا دیا ہے۔ فوری اقدامات کے بغیر یہ بحران غذائی عدم تحفظ، معاشی تباہی، اور سماجی انتشار کو ناقابلِ تلافی حد تک بڑھا سکتا ہے۔

جدید ٹیکنالوجی کے دور میں انقلابی وطبقاتی سیاست

بیسیویں صدی کی چھٹی دہائی کے دوران مائیکرو الیکٹرک کی دریافت نے تاریخ کے پورے دھارے کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ جدید سائنسی اور تکنیکی انقلاب کی بدولت بڑی بڑی صنعتوں میں خود کار مشینوں کا استعمال ہونے سے مشینوں پر کام کرنے والے مزدوروں کے بجائے اب انجینئرز اور میکنکوں کی مانگ بڑھنے لگی مثلاً کئی سال پہلے فرانس کے کار ساز ادارے رینالٹ میں خود کاری سے پہلے مشینوں پر کام کرنے والے مزدوروں کا تناسب 8% تھا لیکن خود کاریت آجانے سے یہ تناسب 2% ہو گیا امریکہ کی جدید ترین آئل ریفائنری میں یہ تناسب 1 ÷ ہو گیا۔ اس کے بعد تو تکنیک میں مسلسل اضافے کے باعث بہت سی صنعتوں میں روبوٹ اور کمپیوٹر استعمال ہونے لگے ہیں اور پوری کی پوری اسمبلی لائنیں خود کار ہونے لگیں جنھیں روبوٹ چلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ دفتری کاموں اور بڑے بڑے شاپنگ سینٹر میں کمپیوٹر روبوٹ اور دیگر خود کار مشینری کا استعمال عام ہونے لگا ہے اور دفتری لوگ اور سیلز مین تھوک کے حساب سے فارغ ہونے لگے ہیں۔ مثال کے طور پر امریکہ میں صرف ایک سال کے دوران ساڑھے تین لاکھ دفتری لوگوں کو فارغ کیا گیا اور گزشتہ پانچ سالوں میں یہ تعداد چالیس لاکھ تک پہنچ چکی ہے اور اب ڈونلڈ ٹرمپ کے آنے کے بعد لاکھوں سرکاری و نیم سرکاری اداروں سے لوگوں کو نوکریوں سے نکالا جا رہا ہے- خدمات کے شعبے بھی خود کاریت کی دستبرد سے باہر نہ رہ سکے ملٹی نیشنل اداروں کے فروغ میں بہت سے انفرادی پیشوں میں کام کرنے والے صاحب جائیداد لوگوں کو نادار بنا کر اجرتی مزدور بنا ڈالا ہے۔ تاہم

سائنس دانوں ریسرچ اسکالرز، تخلیق کاروں، موجدوں اور اعلیٰ درجے کے انجینئرز کو جن کی ہنرمند صلاحیتوں کی تعمیر پر زیادہ خرچ آتا ہے ملٹی نیشنل اداروں نے بڑی بڑی تنخواہیں دے کر اپنے قریب اور انہیں عام محنت کشوں سے علیحدہ کر دیا ہے۔ خام مال کے مقابلے میں سائنس کی ترقی نے مصنوعی ذرائع لا کھڑے کیے ہیں جن کے امکانات لامحدود ہیں۔

معلوماتی انقلاب اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی، مالیاتی سرمائے کے پھیلاؤ میں بہت بنیادی کردار ادا کر رہے ہیں کیونکہ سرمایہ اب ایک بٹن کے دبانے سے دنیا بھر میں گردش کر سکتا ہے۔ اس ٹیکنالوجی سے دنیا بھر کی فوجی اسٹیبلشمنٹ بھی مستفید ہوئے ہیں مثال کے طور پر انسانی پائلٹ کے بغیر اڑنے والے جہاز، ڈرونز کے ذریعے اب دور دراز خطے میں بم گرایا جا سکتا ہے اور آنے والی دہائیوں میں یہ عین ممکن ہے کہ جہاں جنگ لڑنے کے لیے سپاہی درکار ہیں وہاں انسان کے بجائے روبوٹ کو بھیجا جائے گا۔

دوسری طرف ایسے مفکرین ہیں جن کا کہنا ہے کہ یہی ڈیجیٹل ٹیکنالوجی ہے جو کہ سرمایہ دارانہ نظام کے زوال کا باعث بنے گی۔ کیونکہ اس پر معلومات مفت تقسیم ہوتی ہیں لہذا اشیائے پیداوار کا نظام وقت کے ساتھ کمزور پڑ جائے گا وہ دعوی کرتے ہیں کہ سائنس کی ترقی کے نتیجے میں صحت اور دیگر شعبوں میں انسان کی ایسی حاصلات ہوں گی جس کا کبھی سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا ان مفکرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ انٹرنیٹ ایک ایسی جمہوریت ہے جس کو حکمران طبقہ کنٹرول نہیں کر سکتا۔

تاہم گزشتہ چند سالوں سے واضح ہو گیا کہ بین الاقوامی کمپنیاں فیس بک، گوگل، ایمازون، بگ ٹیک وغیرہ اور ان کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنے والی ریاست خاص طور پر فوجی اسٹیبلشمنٹ معلومات کی اس یلغار میں نہ صرف انٹرنیٹ پر ذہن سازی کی بے مثال صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ عام شہریوں پر نظر رکھنے کے لئے ایک ایسا جال بچھاتے جا رہے ہیں جس کو انسانی تاریخ میں طاقت ور ترین حکمران تصور بھی نہیں کر سکتے تھے ساتھ میں اب اسمارٹ ٹیکنالوجی عام ہوتی جا رہی ہے جس کے ذریعے اشیاء کی خرید و فروخت کا سلسلہ بہت زیادہ تیز ہو گیا ہے۔ انٹرنیٹ استعمال کرنے والے ہر شخص کے شوق اور پسند کو مشین پہچان لیتی ہے اور اسی حساب سے اشتہارات اس شخص کو گرفت میں لے ڈوبتے ہیں۔ جہاں تک صحت اور دیگر شعبوں میں حاصلات کا سوال ہے تو جینیٹک انجینیر نگ اور دیگر ایسے معاملات کو انسانیت کے لیے پیش رفت کہا جا سکتا

ہے یا انسانیت کے خاتمے کی طرف پہلا قدم قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کا اثر اب سیاست کے میدان میں بھی واضح نظر آنا شروع ہو گیا ہے سیاسی بیانات اور بحث اب سوشل میڈیا پر بہت حد تک منتقل ہو گئے ہیں ٹوئٹر اور فیس بک جیسی سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر ہر طرح کی سیاست کرنے والی پارٹیاں تنظیمیں اور افراد اپنا مواد شیئر کرتے ہیں۔ پاکستان میں اور عالمی سطح پر بھی ترقی پسند اور رجعتی تحریکیں اور سیاست دونوں میں سوشل میڈیا کا رول نمایاں نظر آتا ہے اس میں اب کوئی شک نہیں رہا کہ مستقبل کے سماج میں مشین کا کردار ایسا ہو گا جس کا ماضی میں تصور نہیں کیا جا سکتا تھا انسان نے ہمیشہ ٹیکنالوجی کو اپنے حالات بہتر بنانے کے لیے ایجاد کیا لیکن آج ٹیکنالوجی کا سوال پہلے سے زیادہ مشکل ہو چکا ہے شکل ہیکیونکہ اب انسان کے دماغ سے بالاتر مصنوعی ذہانت نامی چیز سامنے آ چکی ہے جو یقیناً ٹیکنالوجی اور مشین کی ترقی کی خوفناک لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ اس نظام سے تجاوز کرنے میں ہی ٹیکنالوجی کا ایک ایسا رول متعین ہو سکتا ہے جو کہ متوازن ہو گا اور حقیقی معنوں میں عوام اور ماحول دوست ترقی کو یقینی بنائے گا اس ضمن میں ٹیکنالوجی کے وہ استعمال جن سے طبقاتی، قومی، صنفی اور سامراجی مفادات کو آگے بڑھایا جاتا ہے کو سیاسی منظرنامے پر لانا ہمارے اولین مقاصد میں شامل کرنا ضروری ہے ورنہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے نعرے کے بل پر انسان مزید غلامی کی طرف دھکیلا جائے گا جیسا کہ آج کی کمپنیوں کا ریاست کے ساتھ گٹھ جوڑ میں کردار نظر آتا ہے۔

بگ ٹیک اور طبقاتی جدوجہد کو درپیش چیلنجز: بگ ٹیک (جیسے گوگل، ایمیزون، فیس بک، ایپل، اور مائیکروسافٹ وغیرہ وغیرہ) اور طبقاتی جدوجہد کے درمیان تعلقات پیچیدہ ہیں۔ یہ کمپنیاں معاشی، سماجی، اور سیاسی طاقت کے مراکز بن چکی ہیں، جس سے نئے قسم کے چیلنجز جنم لے رہے ہیں۔ بگ ٹیک کمپنیوں کے مالکان اور اعلیٰ سطحی ملازمین (جیسے ٹیکنالوجسٹس) کی آمدنی عام کارکنوں (مثلاً ویئر ہاؤس لیبر یا ڈیلیوری ڈرائیورز) سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس سے طبقاتی خلیج گہری ہوتی جا رہی ہے۔ یہ کمپنیاں اپنے منافع کو سرمایہ کاروں اور ایگزیکٹوز میں مرتکز کرتی ہیں، جبکہ مزدوروں کو کم اجرت اور غیر مستحکم ملازمتوں کا سامنا ہوتا ہے۔

آٹومیشن اور نوکریوں کا خاتمہ: روبوٹکس اور مصنوعی ذہانت کی وجہ سے روایتی صنعتوں میں نوکریاں ختم ہو رہی ہیں، جس سے مزدور طبقے کو بے روزگاری یا کم اجرت والے کاموں پر مجبور ہونا

پڑ رہا ہے۔

گِگ اکانومی کا عروج: اوبر، ڈیلیورو، اور ایمیزون جیسی کمپنیاں "فری لانسرز" یا" کنٹریکٹ ورکرز" کو بغیر صحت یا ریٹائرمنٹ فوائد کے استعمال کرتی ہیں، جس سے مزدوروں کا استحصال بڑھتا ہے۔اور یہ کمپنیاں اوراس طرح کے کاروبار اب پاکستان میں بھی مسلسل پھیلتے جا رہے ہیں اور جن سے لاکھوں کی تعداد میں محنت کش ورکرز وابستہ ہو رہے ہیں۔

ڈیٹا اور سرویلنس کا استعمال: یہ بڑی بڑی کمپنیاں عوامی ڈیٹا پر اجارہ داری قائم کرتی جا رہی ہیں بگ ٹیک صارفین کے ڈیٹا کو جمع کر کے اسے اشتہارات یا سیاسی مہمات کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ یہ طاقت کا نیا ذریعہ ہے جو عام لوگوں کو "ڈیٹا پرولتاریہ" میں تبدیل کر رہا ہے۔مصنوعی ذہانت کی مدد سے ملازمین کی نگرانی کی جاتی ہے، جس سے مزدوروں کے حقوق کمزور ہوتے ہیں۔ بگ ٹیک کمپنیاں حکومتوں پر اثر انداز ہو کر ایسی پالیسیاں بنواتی ہیں جو ان کے مفادات کو تحفظ دیں (مثلاً ٹیکس چوری یا لیبر قوانین میں نرمی)۔مزدور یونینز کو کمزور کرتی ہیں۔ کیونکہ ابھی تک ٹیکنالوجی کے شعبے میں یونین سازی کی روایت کم ہے، جس کی وجہ سے ملازمین اپنے حقوق کے لیے منظم نہیں ہو پاتے۔

ڈیجیٹل خلیج: غریب طبقے کے پاس جدید ٹیکنالوجی تک رسائی نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے تعلیم، روزگار، اور سماجی مواقع میں فرق بڑھتا جا رہا ہے۔اور تعلیمی عدم مساوات پیدا ہو رہی ہے اعلیٰ معیار کی ٹیکنالوجی تعلیم صرف امیر طبقے تک محدود ہے، جس سے طبقاتی نقل وحرکت مشکل ہوتی ہے۔ بگ ٹیک کے ڈیٹا سینٹرز اور الیکٹرانک فضلہ غریب علاقوں میں ماحولیاتی تباہی کا سبب بھی بنتے ہیں، جو پہلے سے پسماندہ طبقوں کو متاثر کرتا ہے۔

عالمی سطح پر طبقاتی جدوجہد: بگ ٹیک کمپنیاں ترقی پذیر ممالک میں سستے مزدوروں کو استعمال کرتی ہیں، جس سے عالمی سطح پر مزدور طبقے میں مقابلہ بڑھتا ہے۔ ایمیزن اور گوگل کے ملازمین کی حالیہ ہڑتالیں طبقاتی شعور بیدار کرنے کی مثال ہیں۔ٹیکنالوجی کو عوامی ملکیت بنانے، ڈیٹا اور بنیادی ڈیجیٹل انفراسٹرکچر کو عوامی کنٹرول میں لینے۔ ٹیکس، لیبر قوانین، اور مونوپولی مخالف قوانین کو مضبوط بنانے کے لئے ترقی یافتہ اور ترقی پزیر ممالک میں سیاسی جماعتوں کو آواز بلند کرنی پڑے گی۔ بگ ٹیک اور طبقاتی جدوجہد کے درمیان یہ چیلنجز ایک نئے دور کی سماجی تبدیلیوں کی عکاسی

کرتے ہیں، جہاں ٹیکنالوجی اور سرمایہ داری کے تعلقات کو نئے سرے سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ٹیکنالوجی اور آٹومشین ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک میں مختلف اشکال رکھتے ہیں اور یہ بھی اہم ہے کہ خودکار ٹیکنالوجی کمپیوٹرائزڈ روبوٹ اور مشین کوئی حرف آخر نہیں کیونکہ روبوٹ کے ڈیزائن اور مینٹی نس میں بھی انسانی محنت درکار ہوتی ہے اس کے علاوہ اگر تمام مزدور فارغ کر دیئے جائیں اور ان کی قوت خرید نہ ہو تو کنزیومر کی غیر موجودگی میں مارکیٹ کا تصور بے کار ہے۔

جمہوریت، اظہار رائے کا حق اور دیگر تمام سول آزادیاں جن کے لیے جدید دور میں ہر انقلابی جدوجہد کرتا رہا ہے۔آج ان آزادیوں کو مرکزی اہمیت کا حامل تصور کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ ذرائع ابلاغ کے تحت سرمایہ دارانہ ترقی اور اس کے تحفظ کے نام پر ریاست کے مسلح اداروں کے پاس اختیارات مرتکز ہوتے جا رہے ہیں۔ پاکستان کے بائیں بازو کو چاہیے کہ وہ کم از کم ایجنڈے پر اتفاق پیدا کریں اور سوشل میڈیا کے وہ ذرائع استعمال کریں جو ہمیں جوڑنے میں مدد دے سکتے ہیں یہ وہ پہلا قدم ہوگا جو کہ عوامی ورکرز پارٹی اور اس کی تمام تر اتحادی قوتوں کو اکیسویں صدی کی انقلابی سیاست کو ترتیب دینے اور ایک نئے سماج کو قائم کرنے میں آگے کا راستہ فراہم کرتا ہے

خودکاریت اور سرمایہ داری نظام کا بحران

کارل مارکس نے کہا تھا کہ سرمایہ دارانہ نظام اپنے اندرونی تضادات (جیسے محنت اور سرمایہ کا ٹکراؤ، پیداوار کے سماجی کردار اور ذاتی ملکیت کا تنازع) کی وجہ سے اپنی تباہی کا سبب بنے گا۔ اس کے نتیجے میں پرولتاریہ (مزدور طبقہ) انقلاب برپا کر کے سوشلزم کی طرف منتقل ہوگا۔ مارکس اسے "تاریخی مادیت" کے تحت ایک ناگزیر عمل سمجھتا ہے۔ٹیکنالوجی کی ترقی اور مارکس کے نظریہ ایلی نیشن یا بیگانگی کے مطابق ٹیکنالوجی کی ترقی کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ نظام میں مزدوروں کا استحصال اور بڑھ جاتا ہے اور محنت کش اپنے کام سے بیگانہ ہو جاتے ہیں اور اپنی بنائی ہوئی چیزوں پر کنٹرول کھو دیتے ہیں کام اور محنت ان کی ذات کی تکمیل کی بجائے صرف زندہ رہنے کا ذریعہ بن جاتے ہے۔تخلیقی صلاحیتیں سرمایہ دار کے مفاد میں استعمال ہوتی ہیں۔محنت کشوں کے درمیان مقابلہ بڑھتا ہے، جس سے یکجہتی ختم ہوتی ہے۔

مارکس کے نزدیک ٹیکنالوجی کا استعمال سرمایہ دارانہ نظام کے تحت دوہرا کردار ادا کرتا

ہیٹیکنالوجی (جیسے فیکٹریاں، مشینری) محنت کشوں کو "مشین کا ایک پرزہ" بنا دیتی ہے، جس سے ان کی تخلیقی صلاحیتیں کچل دی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر، آٹومیشن سے کام کی تکرار بڑھتی ہے، جس سے ایلی نیشن یعنی بیگانگی اور گہری ہوتی ہے۔ مارکس ٹیکنالوجی کو ترقی کا ایک لازمی حصہ مانتے تھے، لیکن سرمایہ داری میں یہ ترقی "محنت کی قیمت کو کم کر کے منافع بڑھانے کا ذریعہ بنتی ہے۔

مارکس کے مطابق، ٹیکنالوجی انسان کو مشقت سے آزاد کر کے تخلیقی سرگرمیوں کے لیے وقت دے سکتی ہے۔ جبکہ سرمایہ دارانہ نظام میں ٹیکنالوجی کا مقصد محنت کشوں پر کنٹرول، پیداواریت میں اضافہ، اور نجی منافع ہوتا ہے۔ اس سے محنت کشوں میں ایلی نیشن یعنی بیگانگی بڑھتی ہے۔ مثال کے طور پر، آج کی "گِگ اکانومی" (جیسے اوبر، فری لانسنگ) میں ٹیکنالوجی محنت کشوں کو غیر مستحکم اور تنہا کر دیتی ہے۔ مارکس نے اسی تضاد کو بحران سے تعبیر کیا۔ کیونکہ سرمایہ داری نظام کے اندر یہ ناقابل حل ہے اور صرف سوشلزم ہی اس تضاد کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اسی لئے مارکس کا خیال تھا کہ ٹیکنالوجی کا مثبت استعمال صرف ایک اشتراکی نظام میں ممکن ہے، جہاں پیداواری ذرائع پر اجتماعی ملکیت ہو۔ اس صورت میں، ٹیکنالوجی کام کے اوقات کو کم کر کے انسانوں کو سماجی، ثقافتی، اور تخلیقی سرگرمیوں کے لیے آزاد کر سکتی ہے۔ ٹیکنالوجی خود کوئی مسئلہ نہیں، بلکہ اس کا سرمایہ دارانہ استعمال بیگانگی کو بڑھاتا ہے۔ مارکس کے مطابق، ٹیکنالوجی کا "مشن" انسانی آزادی ہے، لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب پیداواری تعلقات کو انسانی ضروریات کے تابع کیا جائے، نہ کہ منافع کے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ وقت ترقی یافتہ دنیا میں آن پہنچا ہے اور عوامی جمہوریہ چین نے مزدوروں کے اوقات کم کرنے شروع کر دیئے ہیں اسی تنخواہ پر وہ پہلے سات دن کام کرتے تھے تو اب پانچ یا چھ دن کام کریں گے۔

آج کے ڈیجیٹل دور میں مصنوعی ذہانت پر یہ سوال اور بھی اہم ہو گیا ہے کہ روبوٹکس محنت کشوں کو مزید بیگانہ کریں گے، یا یہ انہیں نئی آزادیاں دیں گے؟ مارکس کی تنقید ہمیں یاد دلاتی ہے کہ اس کا جواب معاشی نظام کے انتخاب پر منحصر ہے۔

جدید ٹیکنالوجی (جیسے مصنوعی ذہانت، روبوٹکس، بلاک چین) اور سرمایہ دارانہ نظام (جس

میں منافع اور مسابقت مرکزی ہیں) کے درمیان تعامل نے متعدد عالمی بحرانوں کو جنم دیا ہے۔ یہ بحران معاشی، سماجی، ماحولیاتی، اور سیاسی پہلوؤں پر محیط ہیں۔ معاشی بحران کی وجہ سے روایتی شعبوں (جیسے مینوفیکچرنگ، کسٹمر سروس) میں ملازمتوں کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ عالمی بینک کے مطابق، 2030 تک 80 کروڑ افراد بے روزگار ہو سکتے ہیں۔ ایمازون او گوگل جیسے ادارے دولت کو مرتکز کر رہے ہیں- اوکسفام کی رپورٹ کے مطابق امیر اور غریب کا فرق مسلسل بڑھ رہا ہے اور ٹیکنالوجی پر کنٹرول رکھنے والی کمپنیوں کے 1 فیصد امیر ترین افراد کے پاس دنیا کی 50 فیصد سے زیادہ دولت ہے۔

جدید ٹیکنالوجی نے دنیا بدل دی ہے لیکن اس کے اثرات ترقی یافتہ اور غریب ممالک پر یکساں نہی ہیں- آٹومیشن اور مصنوعی ذہانت کی بدولت ترقی یافتہ ملکوں میں پیداوار میں بہت تیزی آ گئی ہے جیسا کی جرمنی کی اسمارٹ فیکٹریاں- جس سے ہنر مند افراد کے لئے روزگار کے نئے مواقع پیدا ہوئے ہیں۔ جس سے اس کی جی ڈی پی میں بہت اضافہ ہو رہا ہے امریکہ اور چین جیسے ممالک ٹیکنالوجی کی برآمدات سے سالانہ ٹریلین ڈالر کما رہے ہیں- جبکہ غریب ممالک میں روایتی شعبوں جیسے کپڑا سازی اور کسانوں میں روزگار کا بحران پیدا ہو رہا ہے جیسا کہ بنگلہ دیش میں گارمنٹس ورکرز کا بحران۔

ٹیکنالوجی کی مسلسل ترقی سیو سائل کا استحصال تیز تر ہو گیا ہے ترقیافتہ ممالک غریب ممالک سے سستی لیبر اور خام مال (جیسے کوبالٹ، لیتھیم) کا استحصال کرتے ہیں۔ اور غریب ممالک کا ترقی یافتہ ملکوں پر معاشی انحصار بڑھتا جا رہا ہے- ڈیجیٹل پلیٹ فارمز (جیسے ایمیزون، علی بابا) مقامی کاروباروں کو ختم کر رہے ہیں۔ ترقی یافتہ ملکوں میں سماجی عدم مساوات بڑھ رہی ہے غریب طبقوں کو جدید ٹیکنالوجی تک رسائی میں دشواری ہے (مثلاً امریکہ میں دیہاتی علاقوں میں انٹرنیٹ کی سہولت نہ ہونا - گیگ اکانومی کا دباؤ کا دباؤ اتنا بڑھ گیا ہے کہ اوبر اور ڈیلیورو جیسی کمپنیاں غیر مستقل ملازمتوں کو فروغ دے رہی ہیں۔ دوسری طرف غریب ملکوں میں ڈیجیٹل خواندگی تک رسائی زیادہ نہی ہے اور آبادی کا بڑا حصہ بنیادی ڈیجیٹل ٹولز سے ناواقف ہے۔ افریقہ میں 60 فیصد آبادی کے پاس انٹرنیٹ کی سہولت نہی ہے- ہنر مند افراد ترقی یافتہ ممالک کی طرف ہجرت کر رہے ہیں پاکستان کی مثال بہت واضح ہے۔

ترقی یافتہ ملکوں کو ٹیکنالوجی تک مکمل رسائی حاصل ہے۔ ریسرچ لیبز، جدید ہیلتھ کیئر سسٹمز، مصنوعی ذہانت کا نیٹ ورک، اور جی انفراسٹرکچر کی برتری انھیں حاصل ہے دنیا کی 90 فیصد ٹیکنالوجی کمپنیاں ترقی یافتہ ملکوں میں ہیں- جبکہ غریب مما لک میں بنیادی سہولیات کا فقدان ہے بجلی، انٹرنیٹ، اور تعلیمی اداروں کی کمی ٹیکنالوجی اپنانے میں رکاوٹ ہے۔ انھیں ٹیکنالوجی کا "استعمال کنندہ" بننا پڑتا ہے اور ترقییافتہ مما لک کی ایجادات پر انحصار کرنا پڑ رہا ہے، جس سے مقامی تحقیق دب جاتی ہے۔

سیاسی طاقت کا توازن: جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے امیر اور غریب مما لک کے درمیان دیگر شعبوں کی طرح سیاست اور طاقت کا توازن بھی خراب ہوتا جا رہا ہے- غریب ملکوں کے لئے "ڈیٹا کے استعمار" کی ایک نئی اصطلاح سامنے آ رہی ہے۔ ترقی یافتہ مما لک غریب ملکوں کے ڈیٹا کو کنٹرول کرتے ہیں جس کی بڑی مثال افریقہ میں فیس بک کا فری بیسک پروجیکٹ ہے- جی 5 اور مصنوعی ذہانت کی امریکہ اور چین کے مابین دوڑ نے ترقی پزیر ملکوں کو طاقت کے کھیل کا شکار بنا دیا- ترقی یافتہ ملک دھڑا دھڑ سبز ٹیکنالوجی میں انویسٹ منٹ کر رہے ہیں اور آلودگی غریب مما لک میں ایکسپورٹ کر رہے ہیں جیسا کہ 2027 کے بعد ہالینڈ جیسے ملک میں تیل پر چلنے والی گاڑیوں پر مکمل پابندی ہوگی- اور پاکستان اور نائیجیریا جیسے مما لک الیکٹرانک کچرے کے ڈمپنگ گراؤنڈ بن رہے ہیں- جدید ٹیکنالوجی نے ترقی یافتہ مما لک کو "ڈیجیٹل سلطنتوں" میں بدل دیا ہے، جبکہ غریب مما لک اس دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس خلیج کو پاٹنے کے لیے عالمی سطح پر ٹھوس اقدامات، منصفانہ تجارت، اور ٹیکنالوجی کے شمولیتی استعمال کی ضرورت ہے۔ ورنہ، یہ تقسیم معاشی، سماجی، اور سیاسی بحرانوں کو گہرا کرے گی۔

سرمایہ داری کی لچک اور بقاء- سرمایہ داری نظام میں بحران در بحران اس کی خاصیت میں شامل ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ماضی میں یہ اپنی زندگی اور بقاء کے راستے تلاش کرنے میں بھی کامیاب رہی ہے کیونکہ ترقی اور تیکنالوجی کی تمام طاقت سرمایہدار ملکوں کے پاس ہی تھی اور وہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیتے تھے خواہ اس کے لئے انھیں دو عالمی جنگیں پیدا کر کے کروڑوں لوگوں کو موت کے گھاٹ ہی کیوں نہ اتارنا پڑا- اس کے علاوہ سوشلزم کے خوف سے زیادہ تر مما لک میں سوشل ڈیموکریسی یا مخلوط معیشتوں کے نظام کو اپنایا- سرمایہ داری نظام نے ٹیکنالوجی،

گلوبلائیزیشن اور جدت کو اپنی بقاء اور ہتھیار کے طور پر استعمال کیا- عالمی منڈیوں پر قبضے، اجارہ داریوں اور مالیاتی نظام کی وحشت ناک سلطنت قائم کر کے کامیابی حاصل کی۔

ٹیکنالوجی کی ترقی کے نتیجے میں جدید دور میں طبقاتی ساخت میں تبدیلیاں ہوئیں بلکہ وہ بہت پیچیدہ ہوگئی ہیں جس نے روایتی پرولتاریہ کے تصور کو کمزور کیا- جیسا کی مڈل کلاس کا پھیلاؤ بہت بڑے پیمانے پر ہوا اور ڈیجیٹل محنت کا تصور معرض وجود میں آیا- ایک زمانے تک عالمی بینک، اور دیگر مالیاتی ادارے ترقی پزیر ملکوں کو جو فنڈنگ کرتے تھے اس میں ایک شرط یہ بھی ہوتی تھی کہ آپ اپنے معاشرے میں مڈل کلاس پیدا کرنے کو ترجیح دیں گے- اس تناظر میں سرمایہ داری اپنے بچاؤ کے انتظامات کرتی چلی آ رہی ہے۔

یونیورسل بیسک انکم کا تصور: بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے جس کے محرک ایلون مسک اور مارک زکربرگ جیسے ٹیکنالوجی کے لیڈرز ہیں یہ اور دیگر سرمایہ داری نظام کے بڑے بڑے گرگے یہ سمجھ رہے ہیں کہ آٹومشن، مصنوعی ذہانت اور تیزی سے ترقی کرتی ہوئی ٹیکنالوجی کے نتیجے میں مستقبل میں لاکھوں روائیتی مالازمتیں ختم ہو جائیں گی اور کچھ سفید پوش ملازمتیں بھی نہیں رہ پائیں گی- ایلون مسک کا کہنا ہے کہ جب روبوٹس تمام کام کرنے لگیں گے تو لوگوں کے پاس آمدنی کا ذریعہ نہیں بچے گا کہ وہ اپنی زندگی کی ضروریات پوری کر سکیں اور بے روزگاری کا ایک بہت بڑا بحران ہوگا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ عوام سرمایہ دار حکومتوں کے تختے الٹ دیں اور سوشلسٹ انقلابات برپا کر دیں اس سے نبٹنے کے لئے لوگوں کو ماہوار کچھ پیسے یونیورسل بیسک انکم کے طور پر دئے جائیں، سادہ انداز میں اس کو سمجھنے کے لئے پاکستان میں بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کی مثال دی جاسکتی ہے-

کیا سوشلزم ناگزیر ہے؟

کارل مارکس نے کہا تھا کہ سرمایہ داری اپنے اندرونی تضادات (جیسے مشینوں کی وجہ سے بے روزگاری) کی وجہ سے خود اپنی تباہی کا سبب بنے گی۔ آج کی ٹیکنالوجی شاید اس نظریے کو نئی زندگی دے رہی ہے۔ ٹیکنالوجی کا رخ سیاسی اور معاشی نظاموں پر منحصر ہے۔ کہ وہ اسے کیسے اور کس طبقے کے مفاد میں استعمال کرتے ہیں مثال کے طور پر، چین "ڈیجیٹل سوشلزم" کا تجربہ کر رہا ہے، جبکہ نارڈک مما لک ٹیکنالوجی کو فلاحی ریاست کے ساتھ جوڑ رہے ہیں۔

نتیجہ

ٹیکنالوجی خود بخود سوشلزم یا سرمایہ داری کو جنم نہیں دیتی —— یہ ایک ٹول ہے جس کا استعمال سماجی نظام کے مقاصد کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر عوامی دباؤ، ترقی پسند پالیسیاں، اور اجتماعی مفادات کو ترجیح دی جائے تو ٹیکنالوجی معاشرے کو مساوات کی طرف لے جا سکتی ہے۔ لیکن اگر طاقت اور دولت چند ہاتھوں میں مرکوز رہی تو یہی ٹیکنالوجی سرمایہ دارانہ استحصال کو نئی بلندیوں تک پہنچا دے گی۔ مثال کے طور پر کورونا ویکسین کی تیاری میں ٹیکنالوجی کا استعمال اگر "منافع" کی بجائے "عوامی صحت" کے لیے کیا جاتا تو نتائج مختلف ہوتے۔ لہٰذا، ٹیکنالوجی کا رخ آخر کار انسانی انتخاب پر منحصر ہے۔

انسانی ارادہ اور سیاسی جدوجہد: سوشلزم کی کامیابیا ناکامی صرف معاشی قوانین پر منحصر نہیں، بلکہ انسانی ارادے، تنظیم، اور سیاسی جدوجہد پر بھی منحصر ہے۔ مثال کے طور پر روس اور چین میں انقلابات کے بعد سوشلسٹ ریاستیں قائم ہوئیں، لیکن وہاں بھی حکمران اشرافیہ اور مرکزیت کے مسائل سامنے آئے۔ لاطینی امریکہ، وینیزویلا، بولیویا جیسے ممالک میں سوشلسٹ تجربات ہوئے، لیکن معاشی بحران اور بیرونی دباؤ نے انہیں محدود کر دیا۔ یعنی سوشلزم کی "ناگزیریت" کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سیاسی عزم، عوامی حمایت، اور بین الاقوامی حالات سازگار ہونے ضروری ہیں۔

ڈیجیٹل سوشلزم Digital Socialism

یہ ایک جدید تصور ہے جو آٹومیشن اور مصنوعی ذہانت سمیت جدید ٹیکنالوجی کے نتیجے میں جو معیشت سامنے آئی ہے، کا نتیجہ ہے اور سوشلزم کے روایتی اصولوں کو ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ کے دور سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ یہ نظریہ ٹیکنالوجی کے ذریعے معاشی اور سماجی انصاف، اجتماعی ملکیت، اور وسائل کی منصفانہ تقسیم کو ممکن بنانے پر زور دیتا ہے۔ ڈیجیٹل سوشلزم وہ نظام ہے جس میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کو استعمال کرتے ہوئے پیداواری وسائل (جیسے ڈیٹا، سافٹ ویئر، پلیٹ فارمز) پر اجتماعی کنٹرول قائم کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد سرمایہ دارانہ ڈیجیٹل معیشت (جیسے بڑی ٹیک کمپنیوں کی اجارہ داری) کے خلاف ایک متبادل پیش کرنا ہے، جہاں ٹیکنالوجی عوامی مفاد اور مساوات کے لیے کام کرے۔

بنیادی خصوصیات

ڈیٹا کی اجتماعی ملکیت: موجودہ دور میں ڈیٹا کو "نیا تیل" کہا جاتا ہے۔ ڈیجیٹل سوشلزم کے تحت ڈیٹا پر انفرادی کمپنیوں کی بجائے عوامی یا اجتماعی کنٹرول ہوگا، مثلاً حکومتی یا کمیونٹی پلیٹ فارمز کے ذریعے۔ جیسے عوامی صحت کے ڈیٹا کو نجی انشورنس کمپنیوں کے بجائے اجتماعی طور پر استعمال کیا جائے۔

اوپن سورس اور مشترکہ وسائل: سافٹ ویئر، کوڈز، اور ڈیجیٹل ٹولز کو اوپن سورس بنانا تاکہ ہر کوئی انہیں آزادانہ استعمال، ترمیم، اور بہتر بنا سکے۔ مثال کے طور پر جیسے لینکس آپریٹنگ سسٹم اور وکی پیڈیا وغیرہ۔

پلیٹ فارم کوآپریٹوز: یوٹیوب، ایئر بی این بی، یا اوبر جیسے پلیٹ فارمز کے بجائے ایسے ڈیجیٹل پلیٹ فارمز جو مزدوروں، صارفین، یا کمیونٹیز کی ملکیت میں ہوں اور جمہوری طریقے سے چلائے جائیں۔ جیسے ماسٹوڈون، ڈیسنٹرلائیزڈ سوشل میڈیا اور ٹویٹر وغیرہ۔

یونیورسل ڈیجیٹل خدمات: انٹرنیٹ تک رسائی، ڈیجیٹل تعلیم، اور ای-گورننس جیسی خدمات کو بنیادی انسانی حق قرار دینا اور انہیں مفت یا سبسڈی پر فراہم کرنا۔ جیسا کہ فن لینڈ میں انٹرنیٹ کو قانونی حق قرار دیا گیا۔ ڈیجیٹل سوشلزم کی مثالیں: بلاک چین ٹیکنالوجی کے ذریعے مرکزی بینکوں کے بغیر مالیاتی نظام، جیسے ڈیسنٹرلائزڈ فائنانس کرپٹو کرنسیز وغیرہ، لائسنسنگ، ڈیجیٹل مواد کو آزادانہ اشتراک کے لیے قابل بنانا- عوامی کلاؤڈ سٹوریج، نجی کمپنیوں (جیسے ایمیزون، گوگل) کے بجائے سرکاری یا اجتماعی کلاؤڈ سروسز۔

روایتی سوشلزم سے فرق- روایتی سوشلزم میں فیکٹریاں، زمین، اور مشینری پر اجتماعی ملکیت ہوتی ہے، جبکہ ڈیجیٹل سوشلزم میں ڈیٹا، کوڈز، اور پلیٹ فارمز مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی بدولت تبدیلیاں تیز اور عالمی سطح پر پھیل سکتی ہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا بھر کے افراد مشترکہ منصوبوں (جیسے اوپن سورس سافٹ ویئر) میں حصہ لے سکتے ہیں۔

کیا یہ مستقبل کا راستہ ہے؟

ڈیجیٹل سوشلزم کا تصور ابھی تک ایک نظریاتی فریم ورک ہے، لیکن ٹیکنالوجی کے بڑھتے ہوئے اثرات اور سرمایہ دارانہ ڈیجیٹل معیشت کے خدشات (جیسے ڈیٹا اجارہ داری، روزگار کا

بحران) اس کی اہمیت کو اجاگر کر رہے ہیں۔ مستقبل میں، یہ تصوران ممالک یا تحریکوں میں پروان چڑھ سکتا ہے جو ڈیجیٹل وسائل کو عوامی ملکیت بنانے پر توجہ دیں، اوپن سورس اور ڈیسنٹرلائزڈ ٹیکنالوجی کو فروغ دیں، اور مزدوروں اور صارفین کو ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کے انتظام میں شامل کریں۔ڈیجیٹل سوشلزم روایتی سوشلزم کی ایک جدید شکل ہے جو ٹیکنالوجی کو انسانی فلاح کے لیے استعمال کرنے پر یقین رکھتی ہے۔اگرچہ اس کے عملی چیلنجز ہیں، لیکن یہ ڈیجیٹل دور کے نئے سماجی معاہدے کی تشکیل کا اہم حصہ بن سکتا ہے۔

نوجوان اور طلبا کی جدوجہد اور مستقبل کی سیاست

پاکستان سمیت دنیا بھر میں بائیں بازو کو اپنے تاریخی نظریات ایک ایسے روپ میں ڈھال کر عوام کے سامنے لانے پڑیں گے جو کہ اس عہد کے تقاضوں کے مطابق ہو یاد رہے کہ پاکستان میں آج 25 کروڑ کی آبادی کا 60 فیصد حصہ نوجوانوں پر مشتمل ہے۔یہی نوجوان ہیں جو کہ رجعتی نظریات سے متاثر ہوتے ہیں۔اگر ہم اس دور کے تقاضے پورے کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں تو یہی نوجوان محنت کش اور محنت کار عوام کے ساتھ مل کر سوشلسٹ سیاست کو مربوط کر سکتے ہیں۔

بیسویں صدی کی ترقی پسند تحریکوں میں طلبہ نوجوانوں نے ہمیشہ اہم کردار ادا کیا آج دنیا بھر میں نوجوان وطلبہ ایک بار پھر تبدیلی کی سیاست اور تحریکیں منظّم کرنے کی طرف راغب ہو رہے ہیں پاکستان سمیت ہندوستان سے لے کر چلی اور امریکہ سے لے کر سویڈن تک طلبہ و نوجوان روایتی پارٹیوں سے بدظن ہو کر نئے تجربات کر رہے ہیں۔سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے استعمال میں بھی نوجوان سب سے آگے ہیں۔تاہم پاکستان میں 1984 کے بعد سیطلبہ یونین پر پابندی ہے جبکہ سیاست کے میدان میں فوجی بالا دستی کے نتیجے میں سیاست دانوں اور سیاسی جماعتوں کو مسلسل منفی پروپگنڈا کا شکار بنایا گیا ہے ان دونوں وجوہات کی بنا پر طلبا و نوجوانوں کی اکثریت سیاست کو گالی سمجھتی ہے اور اس تناظر میں عوامی ورکرز پارٹی سمجھتی ہے کہ طلبہ یونین کی بحالی جمہوری سیاست کا لازمی جزو ہے اسلئے طلبہ یونین کی بحالی کے لئے جدوجہد کر رہی ہے

کیا کیا جائے؟

مندرجہ بالا ملکی اور بین الاقوامی معاشی وسیاسی صورت حال اور تجزیے کے مدنظر رکھتے ہوئے اور عوامی ورکرز پارٹی کے منشور میں دیے گئے بنیادی اصولوں، جن میں ملکی اور عالمگیر سطح پر ایک

ایسے سماج کا قیام ہے جس میں انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کا خاتمہ ہو، جو سوشلزم کے نظام کی تعمیر سے ہی ممکن ہے لہذا موجودہ حالات میں بنیادی سماجی تبدیلی کے لیے محنت کش طبقوں اور محنت کار عوام کی مختلف پرتوں کو مارکسی لیننی نظریات اور سیاسی و تنظیمی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے متحدہ جدوجہد میں منظّم کرنا ہمارا فریضہ ہے۔ان مقاصد کے حصول اور مستقبل کی جدوجہد کے لیے پارٹی مندرجہ ذیل اہداف مقرر کرتی ہے۔

1- تنظیمی طور پر پارٹی دستور کے تحت رکنیت، تنظیمی اصولوں نظم وضبط اور عوامی جدوجہد کے تجربات کی روشنی میں پارٹی کے بالائی اداروں میں طے کی گئی پالیسی پر سختی سے عمل درآمد کرتے ہوئے پارٹی کو محنت کش طبقات اور محنت کار عوام کی مختلف پرتوں میں منظّم کیا جائے۔

2- جاگیرداری اور قبائلی باقیات اور بڑی زمینداری کے خاتمے کے لیے منشور میں دی گئی بنیادی زرعی اصلاحات کی پالیسی یعنی پچیس 25 ایکٹر نہری اور پچاس 50 ایکٹر بارانی فی کاشت کار خاندان مقرر، فالتو زمین ہاریوں کسانوں، کھیت مزدوروں میں تقسیم کرنے، سرکاری زمینوں پر کوآپریٹیو فارمنگ اور اجتماعی کاشت کاری کے فروغ اور بارانی علاقوں میں اشتمال اراضی کے لیے جدوجہد کو منظّم کرنے کے لیے کسان/ ہاری کمیٹیوں کو منظّم کیا جائے۔زراعت میں مشین کاری اور ٹیکنالوجی کے استعمال کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر کھیت مزدوروں کے حقوق کے حصول کے لیے مزدور قوانین کی تشکیل ونفاذ کی جدوجہد کی جائے۔زمین کے چھوٹے مالکان اور زرعی شعبے کے مسائل کو اجاگر کرنے، بڑی زمینداری کے خلاف اور ایک مربوط زرعی پالیسی کے نفاذ کے لیے ایک سے زیادہ عوامی تنظیموں کی تشکیل و تنظیم کی جاسکتی ہے۔

3-عوامی ورکرز پارٹی رہنے کے لئے چھت یعنی گھر یا مکان کو انسان کے بنیادی حق کے طور پر تسلیم کرتی ہے لہذا دیہاتوں اور شہروں میں بے گھر لوگوں کو رہنے کے لیے مکان مہیا کرنا ریاست کی ذمے داری ہے اس لیے پنجاب کے صوبے میں

The panjab jinnha abadis for properties in Rural Areas Actof1986

پر مکمل عمل درآمد کرانے اور ملک کے تمام صوبوں میں رہائش کے لیے قانون سازی اور ریاست کی طرف سے مکان مہیا کرنے کے لیے جدوجہد کی جائے، نیز تعلیم اور صحت پر جی ڈی پی کا کم از کم 15% خرچ کرنے کی ضمانت دی جائے۔

4- صنعتی اور معاشرتی ترقی و معاشی آزادی اور خودمختاری کے لیے ضروری ہے کہ دفاعی اور دیگر غیر پیداواری اخراجات میں کمی اور علاقائی و ترقی پذیر ممالک کے ساتھ معاشی تعاون اور اشترا کی اصولوں پر مبنی معاہدے کیے جائیں۔ امریکی اور مغربی سامراجی ملکوں کی نیولبرل عالمی بینک اور آئی ایم ایف کی پالیسیوں کی مزاحمت کی جائے۔ تعلیم، صحت اور صنعتی اداروں کی نج کاری بند کی جائے - قومیائی گئی صنعتوں کو فعال بنایا جائے۔ صنعتی مزدوروں اور ان کی ٹریڈ یونینز کو پاکستان ٹریڈ یونینز فیڈریشن میں منظّم کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف غیر منظّم شعبوں میں محنت کار عوام کو ان کی تنظیمی کمیٹیوں کی شکل میں منظّم کیا جائے موجودہ لیبر قوانین پر عمل درآمد اور مزید مزدور دوست قوانین کی تشکیل کی جدوجہد کی جائے۔

5- ملک میں آئینی حکمرانی، جمہوری اداروں کے قیام، پارلیمنٹ کی بالا دستی، فوجی و سول افسر شاہی کی سیاست میں عدم مداخلت، پاکستان میں بسنے والی تمام قوموں کی برابری اور کثیر الاقوامی ریاست کی تشکیل، دفاع، خارجہ پالیسی، کرنسی اور مواصلات کے علاوہ تمام اختیارات کی صوبوں کو منتقلی، مقامی حکومتوں کا قیام، انتخابی اصلاحات اور حقیقی عوامی جمہوریت کے قیام کی جدوجہد جس میں پارلیمنٹ کے اندر طبقاتی طور پر نمائندگی اور انتخابی قوانین میں تبدیلی شامل ہے ان مقاصد کے حصول کے لیے دوسری ہم خیال پارٹیوں کے ساتھ اتحاد جدوجہد کی پالیسی اختیار کی جائے۔

6- سیاسی معاملات میں اسٹیبلشمنٹ اور خفیہ اداروں کی مداخلت اور قومی و سیاسی حقوق کے حصول کی جدوجہد کرنے والوں کے خلاف جبر اور غائب کر دینے کی پالیسی کے خلاف جدوجہد کی جائے۔

7- مذہبی انتہا پسندی اور مذہب کو سماجی تبدیلی کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کی حکمران طبقات کی پالیسی کے خلاف سیکولر اور غیر فرقہ واریت کی بنیاد پر معاشی سیاسی و سماجی ترقی کے لیے تحریک کو منظّم کیا جائے۔

8- سیکولر اور یکساں وسائنسی بنیادوں پر مبنی نظام تعلیم اور تعلیم کے مفت حصول کو بنیادی انسانی حقوق کے طور پر تسلیم کرانے اور اور انہیں یونین سازی کے بنیادی حق کے لیے اور طلباء کو منظّم کرنے کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کو روزگار صحت اور دیگر بنیادی حقوق کے حصول کے لیے تنظیمی

طور پر منظّم کیا جائے اور شعوری کوششوں سے پارٹی تنظیم کا حصہ بنایا جائے نیز تعلیم اور صحت کے شعبوں میں ریاست کی طرف سے جی ڈی پی کا کم از کم 15% مختص کرانے کے لیے جدوجہد کی جائے۔

9- پدرسری سماج کے نظام کے مکمل خاتمے اور جنس کی بنیاد پر معاشی سیاسی و سماجی تفریق کے خلاف اور جنسی برابری کے اصولوں کے تحت خواتین جو ملکی آبادی کا پچاس فیصد سے زیادہ ہیں اور دہرے، تہرے استحصال کا شکار ہیں، کو پارٹی تنظیم میں منظّم کیا جائے اور بنیادی سماجی تبدیلی کی تحریک کا حصہ بنایا جائے مزید صنفی سوال پر خواتین کی برابری کے علاوہ باقی صنفوں یعنی ٹرانس جینڈرس کو بھی برابر سیاسی، معاشی و سماجی حقوق، ذات پات کی تفریق کے مکمل خاتمے کی جدوجہد کی جائے۔

10- نئی ٹیکنالوجیکل ترقی اور معلوماتی انقلاب کا اپنے طور پر بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ سوشل میڈیا کے وہ ذرائع استعمال کیے جائیں جو پارٹی اداروں اور عوامی تنظیموں میں اتحاد، رابطہ اور یکجہتی پیدا کر سکیں پارٹی پروگرام کو اجاگر کریں اور اتحادی قوتوں سے مل کر انقلابی سیاست کو ترتیب دینے اور ایک نئے سماج کو قائم کرنے میں معاونت کریں۔

11- بین الاقوامی طور پر سامراجی بالادستی اور ان کی معاشی پالیسیوں کی مزاحمت اور فوجی و جنگجویانہ پالیسیوں کی مخالفت اور دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے خلاف جدوجہد کی جائے علاقائی و پڑوسی ملکوں بھارت، افغانستان، چین، ترکی، ایران سینٹرل ایشیائی ممالک کے ساتھ دستی اور معاشی تعاون قائم کیا جائے۔

12- بین الاقوامی طور پر سوشلسٹ اور ترقی پسند تحریکات کے ساتھ یکجہتی، یورپ، ایشیا، افریقہ، مشرق وسطی اور لاطینی امریکہ کے ممالک کی 100 سے زیادہ کمیونسٹ اور، ورکرز پارٹیوں کے سالانہ اجلاس و اتحاد سے رابطہ و یکجہتی پیدا کی جائے تا کہ ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کیا جا سکے جو اس اتحاد کا بنیادی مقصد ہے اور اشترا کی تحریکات کو منظّم کرنے میں ایک دوسرے کی سیاسی معاونت کی جائے۔

13- پاکستان میں تمام بائیں بازو، سیکولر اور ترقی پسند و قوم پرست سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اتحاد قائم کیا جائے اور متعلقہ پروگرام کی بنیاد پر مل کر سماجی تبدیلی کی جدوجہد کی جائے۔